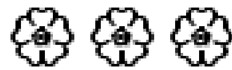
نئے مسائل

اور علماء ہند کے فیصلے

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

فہرست



پیش لفظ

کوئی بھی فقہ یا قانون اپنی حرکیت سے ہی زندہ رہتا ہے۔زندگی کی حرارت اور حرکت کسی بھی زندہ قانون میں نمایاں ہوتی ہے۔بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ قانون کی تطبیق بہت نازک اور ذمہ داری کا کام ہے۔قانون میں حرکت اور بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ہم آہنگی اصول اور قواعد کلیہ اور تعبیر قانون کے مسلمہ ضوابط کی بنیاد پر ہی برقرار رہ سکتی ہے۔فقہ اسلامی کی پائداری اور حالات اور زمانے کی تبدیلیوں کے باوجود انسانی زندگی میں انضباط پیدا کرنے اور صحیح رہنمائی دینے کی بھرپور صلاحیت دراصل ان اصولی احکام کی رہین منت ہے جنہیں فقہاء نے کتاب وسنت سے مستنبط کیا ہے اور ہر عہد میں اس عہد کے حالات کو سامنے رکھ کر احکام فقہیہ کی تطبیق کا نازک فریضہ انجام دیا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب ایسی جامع شخصیتیں موجود تھیں جو کتاب وسنت، فقہاء کے اجماعی اقوال، قیاس کے اصولوں اور استنباط کے طریقوں پر حاوی تھیں، شرع کے عمومی مصالح اور تشریع کے اغراض ومقاصد پر ان کی نگاہ تھی اور وہ زمانہ شناس بھی تھے، لہذا انہوں نے اپنے عہد میں اپنی صلاحیتوں کا استعمال اور ورع وتقویٰ کے ساتھ مقاصد شرع اور قوانین دین پر مضبوط گرفت رکھتے ہوئے اپنے وقت کی مشکلات کا حل نکالا۔ ان اصحاب افتاء بزرگوں کا فتویٰ رائج سکے کی طرح مسلم معاشرے میں قبول عام اختیار کرتا رہا۔

موجودہ حالات یہ ہیں کہ معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں، سائنس وٹکنالوجی کی ترقی نے نئے افق پیدا کئے، دنیا ایک چھوٹی سی بستی بن گئی، معاشی اور اقتصادی امور

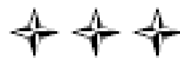
میں نئی ترقیات نے نئے مسائل کھڑے کئے۔ جولوگ اسلام پر چلنا چاہتے ہیں اور شریعت کو اپنی معاشرت، تجارت اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں معیار ہدایت قرار دے کر زندگی گذارنا چاہتے ہیں ان کے سامنے ایسے سیکڑوں سوالات پیدا ہورہے ہیں جن کے بارے میں وہ علماء واصحاب افتاء کی طرف رجوع کرتے ہیں اور رہنمائی کے طالب ہیں۔ دوسری طرف ایسی جامع شخصیتوں کا فقدان ہوگیا جو علم وتحقیق کی بنیاد پر ان مسائل کو حل کرسکیں اور جن کا تنہا فتویٰ بھی مسلم معاشرے میں قابل قبول ہو۔

اس لئے ضرورت تھی کہ اجتماعی فکر کی بنیاد ڈالی جائے اور علماء واصحاب دانش باہمی تبادلۂ خیال کے ذریعہ ان مسائل کا ایسا حل نکالیں جو اصول شرع سے ہم آہنگ ہو اور فکری شذوذ سے پاک ہو۔

یہی وہ مقصد تھا جس کے لئے "مجمع الفقه الإسلامي الهند" کی تشکیل عمل میں آئی جس میں علماء اور فقہاء کے علاوہ ارباب علم ودانش، میڈیکل سائنس، معاشیات، سماجیات اور نفسیات کے ماہرین کو بھی شریک کیا گیا ہے، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس علمی اور تحقیقی عمل کی آواز بازگشت ہندوستان سے باہر بھی سنی جانے لگی ہے۔

(قاضی) مجاهد الاسلام قاسمیؒ

(مؤسس مجمع الفقہ الاسلامی الہند)



ابتدائیہ

ہر عہد میں جو نئے مسائل پیدا ہوں، ان کو حل کرنا علماء کی ذمہ داری اور ان کا فریضۂ منصبی ہے، سلف صالحین نے ان مسائل کو حل کرنے کے لئے انفرادی کوششیں بھی کی ہیں، اور اجتماعی طریقہ کار بھی اختیار کیا ہے، یہ اجتماعی طریقہ استنباط زیادہ محفوظ اور مامون صورت ہے، کیونکہ اجتماعی صلاحیت اور کوششوں کے ذریعہ انفرادی کوتاہیوں کی تلافی ہوجاتی ہے، چنانچہ عہد صحابہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے اور صحابہ کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا۔

موجودہ عہد تیز رفتار تبدیلیوں کا عہد ہے، اسی لئے دنیا کے مختلف ملکوں میں ان اہل علم نے جن کو اللہ تعالیٰ نے دل دردمند اور فکر ارجمند سے نوازا ہے، فقہی مجامع قائم کئے ہیں، اور یہ اکیڈمیاں اجتماعی کاوشوں کے ذریعہ ان مسائل کو حل کرنے میں بہت ہی اہم کردار ادا کررہی ہیں، ہندوستان کے اکابر علماء بھی اس سلسلہ میں محدود سطح پر اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ ایسے مسائل کا حل کرنے پر توجہ دیتے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو کہ انہوں نے اس مقصد کے لئے مستقل طور پر اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی بنیاد رکھی، اور وسیع سطح پر نئے پیدا ہونے والے فقہی مسائل پر غور وفکر کے لئے ایک عظیم الشان پلیٹ فارم مہیا کیا، جس نے نہ صرف پورے ہندوستان بلکہ بیرون ملک کے اہم فقہاء اور ارباب افتاء کو یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

چنانچہ اس اکیڈمی کے تحت اب تک ۱۵ فقہی سمینار منعقد ہوچکے ہیں، جن میں

بحیثیت ۵۰ مسائل پر غور کیا گیا ہے، ان سمیناروں کی تجاویز ''اہم فقہی فیصلے'' کے نام سے طبع ہو چکی ہیں، خیال ہوا کہ ان تجاویز کو اگر فقہی ترتیب کے مطابق شائع کیا جائے تو لوگوں کو استفادہ میں زیادہ سہولت ہوگی۔

چنانچہ ترتیب نو کے ساتھ یہ فیصلے شائع کئے جا رہے ہیں، انشاء اللہ کوشش کی جائے گی کہ آئندہ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق تجاویز کو الگ الگ پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا جائے، اور لوگوں تک پہنچایا جائے، تاکہ لوگ اپنی ضرورت کے لحاظ سے استفادہ کر سکیں۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی اکیڈمی کے مؤسس حضرت قاضی صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور ہم لوگوں کو اس لائق بنائے کہ ان کی اس چھوڑی ہوئی دینی وعلمی امانت کی نہ صرف یہ کہ حفاظت کریں، بلکہ اس کے مزید دوام واستحکام کا ذریعہ بنیں، وباللہ التوفیق۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)
۵/مارچ ۲۰۰۷ء مطابق ۱۴/صفر ۱۴۲۸ھ

اصولی مسائل

فقہی اختلاف کی شرعی حیثیت ☆

۱ - احکام شرعیہ کے دو حصے ہیں: منصوص اور غیر منصوص، منصوص سے مراد وہ احکام شرعیہ ہیں جو کتاب وسنت میں مذکور ہیں، اور غیر منصوص سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کے اجتہاد واستنباط سے ہے۔ بلاشبہ ائمہ وفقہاء کے اجتہادات واستنباطات اوران کا فقہی ذخیرہ ہمارا قیمتی سرمایہ اورشریعت اسلامیہ کا حصہ ہیں۔

۲ - ائمہ مجتہدین کے درمیان مسائل میں جو اختلاف رائے ہے وہ اختلاف حق وباطل نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ مسائل کی ایک بڑی تعداد وہ ہے جن میں افضل، غیر افضل، راجح، غیر راجح کا اختلاف ہے، باقی مسائل میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ ایک رائے صواب باحتمال خطا اور دوسری رائے خطا باحتمال صواب پر محمول ہے۔

۳ - عامی جو کتاب وسنت اور دلائل شرعیہ سے واقف نہیں ہے، اس کے لئے راہ عمل یہ ہے کہ وہ کسی معتمد ومستند عالم دین سے مسئلہ شرعی معلوم کرکے اس پر عمل کرے، وہ اسی طرح شریعت پر عمل پیرا قرار دیا جائے گا۔

۴ - ائمہ مجتہدین کی آراء پر عمل کرنے والی مختلف جماعتوں یا افراد کا ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنا یا ان اکابر سلف کی مذمت کرنا یا ان کے فقہی استنباطات کو تمسخر کا نشانہ بنانا قطعاً حرام ہے اور یہ کسی مسلمان کے لئے دنیا وآخرت میں سخت بدنصیبی اور خسارہ کا سبب ہے۔

☆ بارہواں فقہی سمینار (بستی) بتاریخ ۵-۸/ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱-۱۴ فروری ۲۰۰۰ء۔

۵ - اختلافی مسائل میں سلف صالحین کی روش رواداری، ادب واحترام، ایک دوسرے کے مقام ومنصب کوملحوظ رکھنے اوران کے علوم ومعارف کوقدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھنے کی رہی ہے، ان حضرات نے علمی مباحثات میں ان آداب کی پوری رعایت کی ہے، بلاشبہ سلف صالحین کی روش ہمارے لئے مشعل راہ ہے، افرادامت کی ذمہ داری ہے کہ اسی روش کو اختیار کریں اوراختلافی مسائل میں راہِ اعتدال پرچلیں۔

۶ - اگر وقت اور حالات کی تبدیلی سے معاشرہ کسی مشکل صورت حال کا شکار ہواور ائمہ مجتہدین کی فقہی آراء میں سے ایک پرعمل حرج اوردشواری کاباعث ہواوردوسری فقہی رائے پر عمل سے یہ حرج دورہوجائے تو ایسی صورت میں علماءوفقہاءجواصحاب ورع وتقویٰ اورارباب علم وفہم ہوں ان کے لئے دوسری رائے پرفتویٰ دیناجائز ہے جوباعث دفع حرج ہو، البتہ اس طرح کےمسائل میں انفرادی طورپرفتویٰ دینے کےبجائے اجتماعی طریقہ اختیارکیاجائے۔

۷ - ایسے مسائل جن میں مستند علماءوفقہاءکی ایک جماعت عدول کی ضرورت سمجھے اورمسئلہ مجتہد فیہ میں ایک خاص فقہی رائے کودفع حرج کے لئے اختیارکرےاوراس پرفتویٰ دے، اور دوسری جماعت اس سے اختلاف کرے اور اس فقہی رائے کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے، ایسی صورت میں عام لوگوں کے لئے اس رائے پرعمل کرنا جائز ہے جس میں عدول کرکے سہولت کی راہ اختیارکی گئی ہے، اوراصحاب افتاء کے لئے اس رائے پر بھی فتویٰ دیناجائز ہے۔

ضعیف احادیث کے احکام ☆

۱- اس موضوع پر غور کرتے ہوئے سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ فی زمانہ اہل علم کے یہاں اس باب میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ بعض حضرات کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ہر قسم کی معتبر ونامعتبر روایات کو صحیح وثابت روایات کا درجہ دے رکھا ہے جو کسی بھی طرح "من کذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" کے تحت مطلوبہ احتیاط سے ہم آہنگ نہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو محض کسی حدیث کے سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کو یکسر ناقابل اعتبار اور لائق رد سمجھتے ہیں، حالانکہ ضعیف احادیث بھی بعض مواقع پر مقبول ہیں، اور حدیث کا سند کے اعتبار سے ضعیف ہونا اس کے متن ومضمون کے مردود ونامقبول ہونے کو مستلزم نہیں۔

۲- جو روایات موضوع ہیں وہ قطعاً غیر معتبر ہیں، نہ ان سے استدلال کی گنجائش ہے اور نہ ان کے موضوع ہونے کی صراحت ووضاحت کے بغیر ان کو نقل کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر کسی سند میں واضع حدیث راوی آجائے تو جب تک متن حدیث کے دوسرے طرق کی تحقیق نہ کرلی جائے محض اس سند کی وجہ سے حدیث کے متن ومضمون کو موضوع قرار دینا درست نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کسی ایسی سند سے بھی یہ متن منقول ہو جس میں واضع حدیث راوی نہ آیا ہو۔

۳- اگر کسی حدیث کو متعدد فقہاء ومجتہدین اور محدثین نے بطور استدلال نقل کیا ہو یا اس

☆ گیارہواں فقہی سمینار (پھلواری شریف پٹنہ) بتاریخ ۲۹/ذو الحجہ ۱۴۱۹-۲ محرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۷-۱۹/ اپریل ۱۹۹۹ء۔

روایت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہو یا اس حدیث کو رد کرنے کے بجائے اس کے متن میں تاویل کا راستہ اختیار کیا ہو، اور ظاہر ومتبادر معنیٰ کے بجائے دوسرا معنیٰ متعین کیا ہو، تو یہ ''تلقی بالقبول'' ہے۔

۴ – تلقی بالقبول کی وجہ سے سنداً ضعیف احادیث بھی مقبول کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔

۵ – تلقی بالقبول کے علاوہ احادیث صحیحہ سے اور صحابہ کے فتاویٰ سے مطابقت کی بنا پر بھی احادیث ضعیفہ درجہ اعتبار حاصل کر لیتی ہیں۔

۶ – جن احادیث کے رواۃ متہم بالکذب اور فاسق نہ ہوں، لیکن راوی کے خفت ضبط کے باعث روایت ضعیف ہو، ان کے لئے تعدد طرق مفید ہے، اور ایسی روایت ''حسن لغیرہ'' کے درجہ میں آجاتی ہے، بشرطیکہ دوسرے طرق میں بھی راوی پر خفت ضبط ہی کی تہمت ہو نہ کہ کذب وفسق کی۔ ایسی ضعیف حدیثیں جو دوسری نصوص ثابتہ سے متعارض ہوں یا جن میں ضعف راوی کے متہم بالکذب یا فسق کی وجہ سے ہو، تو یہ نہ فضائل میں معتبر ہوں گی اور نہ احکام میں۔

۷ – ترغیب وترہیب میں ضعیف روایات معتبر ہیں، بشرطیکہ ان میں ضعف شدید نہ پایا جاتا ہو، اور وہ شریعت کی کسی اصل عام کے تحت آتی ہوں، اور ان پر عمل کرتے ہوئے اس میں بیان کئے ہوئے ثواب وعقاب کی امید تو رکھی جائے لیکن یقین جازم نہ ہو۔

۸ – موجودہ علمی انحطاط کو دیکھتے ہوئے مناسب ہے کہ اہل علم اپنی تحریروں اور تقریروں میں صحیح وثابت احادیث کے نقل کا اہتمام کریں، اور جہاں ایسی ضعیف حدیثیں پیش کرنی پڑیں وہاں مناسب انداز پر ایسی حدیث کا درجہ اور مقام بھی واضح کر دیں، تاکہ ضعیف و بے اصل روایات کے نقل کرنے کا چلن نہ ہو جائے۔

۹ – ایسی احادیث جو سند کے اعتبار سے ضعیف ہوں، لیکن ان میں ضعف خفت ضبط کی وجہ سے ہو نہ کہ فقدان عدالت کی وجہ سے، اور کسی نص صحیح وثابت سے متعارض نہ ہوں، ان

سے احتیاطی احکام یعنی کراہت واستحباب ثابت کئے جاسکتے ہیں۔

۱۰- نیز جن احکام میں کوئی دوسری دلیل شرعی موجود نہ ہو، ان میں ایسی ضعیف الاسناد احادیث سے دیگر احکام بھی ثابت کئے جاسکتے ہیں۔ایسی احادیث علت غیر منصوصہ پر مبنی قیاس سے اولیٰ ہیں، یہی جمہور سلف کا مسلک ہے۔

نوٹ: مولانا عبداللہ جولم صاحب کو شق ۹ اور ۱۰ سے اتفاق نہیں ہے۔

شریعت میں ضرورت وحاجت کی رعایت

اوراس کے حدود ☆

اسلامی شریعت کا دائرہ کسی زمانہ یا ملک وقوم تک محدود نہیں ہے، بلکہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لئے اسلامی شریعت پر عمل کرنا واجب ہے، اسلامی شریعت جس طرح ان ممالک کے لئے ہے جن کی زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، اسی طرح غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے بھی لازم العمل ہے۔

دور حاضر میں حکومت کا دائرہ کار چند میدانوں تک محدود نہیں رہ گیا ہے، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں قانون سازی، منصوبہ بندی اورنگرانی حکومت اپنا فرض اور حق سمجھتی ہے، مغرب کے برپا کئے ہوئے غیر اسلامی نظام وماحول میں رہنے والے کروڑوں مسلمان (خصوصاً غیر مسلم ممالک کے مسلمان) سخت گھٹن اور تنگی میں ہیں، بہت سے اسلامی احکام پر عمل ان کے لئے حکومت کے قوانین کی وجہ سے دشوارتر ہوگیا، اگر اسلامی احکام کو چھوڑتے ہیں تو ان کا دل انہیں ملامت کرتا ہے، آخرت میں بازپرس اور عذاب کا خوف ان کے لئے سوہان روح بن جاتا ہے، اور اگر ان اسلامی احکام کی کامل پابندی کرتے ہیں تو انتہائی ضیق اور تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں، مروجہ قوانین ان پر قدغن لگاتے ہیں، زندگی کے بہت سے میدانوں سے انہیں دست کش ہونا پڑتا ہے۔

☆ ساتواں فقہی سمینار (گجرات) بتاریخ ۲۶ - ۲۹ / رجب ۱۴۱۵ھ مطابق ۳۰ / دسمبر ۱۹۹۴ء - ۲ / جنوری ۱۹۹۵ء۔

ان حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ شریعت کے رفع حرج، دفع ضرر، ضرورت واضطرار کے اصول کی روشنی میں ان بنیادی رہنما خطوط کی نشاندہی کردی جائے جن کی بنیاد پر علماء اور اصحاب افتاء دور حاضر کے عمومی ابتلاء اور حاجت کے مسائل کے بارے میں صحیح فیصلہ کرسکیں تاکہ شرعی اصول وقواعد کی روشنی میں جن مسائل میں شرعی جواز اور گنجائش موجود ہو، ان کے بارے میں امت مسلمہ کو غیر معمولی ضیق وحرج سے نکالا جائے، شریعت کے دائرے میں مسلمانوں کے لئے یسر وسہولت پیدا کی جائے، اور اصول ضرورت وحاجت کے بے محابا استعمال سے اباحیت اور ہواپرستی کا جو سنگین خطرہ درپیش ہے اس کا سدّ باب بھی کیا جاسکے۔

اس سلسلے میں شرکائے سمینار بہ اتفاق آراء درج ذیل تجاویز منظور کرتے ہیں:

محور اول

۱- بنیادی طور پر پانچ مصالح ہیں جن کا حصول احکام شرعیہ کا مقصود ہے۔ دین، حیات وزندگی (بشمول عزت وآبرو)، نسل، عقل اور مال کا تحفظ، جو امور ان مصالح کے حصول کے لئے اس قدر ناگزیر ہوجائیں کہ ان کے فقدان کی وجہ سے ان مصالح کے فوت ہوجانے کا یقین یا ظن غالب ہو، وہ ضرورت ہیں، ضرورت فقہاء کے یہاں ایک مستقل اصطلاح ہے، جس میں ''اضطرار'' بھی داخل ہے، تاہم یہ اصطلاح بمقابلہ اضطرار کے عام اور وسیع مفہوم کی حامل ہے۔

۲- حاجت ایسی کیفیت ہے جس میں انسان ان مصالح پنجگانہ کے حاصل کرنے میں ایسے قابل لحاظ مشقت وحرج میں مبتلا ہوجائے جن سے بچانا شریعت کا مقصود ہے۔ البتہ فقہاء کے یہاں کبھی ضرورت پر حاجت اور کبھی حاجت پر ضرورت کا اطلاق کردیا جاتا ہے۔

۳- ضرورت وحاجت دونوں کا تعلق بنیادی طور پر مشقت سے ہے، مشقت کا ایک درجہ وہ ہے جو تمام ہی احکام شرعیہ میں لازم ہوتا ہے، اس کا اعتبار تبدیلی احکام میں نہیں ہے، اور

مشقت کبھی اس درجہ شدید ہوجاتی ہے کہ اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو ضرر شدید لاحق ہوجانے کا یقین یا غالب گمان ہو، یہ ضرورت ہے۔ کبھی اس سے کم درجہ کی مشقت ہوتی ہے، لیکن شریعت نے جس طرح کی مشقتوں کا انسان کو پابند کیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں غیر معمولی ہوتی ہے، یہ کیفیت حاجت ہے۔ بس ضرورت وحاجت کی حقیقت میں بنیادی فرق مشقت کی کمی وزیادتی کا ہے۔

۴ – ضرورت وحاجت کے احکام میں بھی فقہاء نے فرق کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت کے ذریعہ ایسے منصوص احکام سے بھی استثناء کی گنجائش ہوتی ہے جن کی ممانعت قطعی ہو اور جو بذات خود ممنوع ہوں۔ حاجت اگر عمومی نوعیت کی نہ ہو تو اس کے ذریعہ ان ہی احکام میں استثناء کی گنجائش پیدا ہوتی ہے جن کی ممانعت بذات خود مقصود نہ ہو بلکہ دوسری محرمات کے سدّ باب کے لئے ان سے منع کیا جاتا ہے۔

۵ – حاجت اگر عمومی نوعیت کی ہو اور لوگ عام طور پر اس میں مبتلا ہوں تو یہ ضرورت کے درجہ میں آتی ہے، اور اس سے نصوص میں تخصیص واستثناء کی گنجائش ہوجاتی ہے۔

۶ – ضرورت وحاجت کی بنیاد مشقت پر ہے اور مشقت ایک اضافی چیز ہے، اس لئے ضرورت وحاجت کی تعیین میں علاقہ ومقام، احوال زمانہ، لوگوں کی قوت برداشت، مسلم اکثریتی مما لک اور ان مما لک کے لحاظ سے جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں فرق واقع ہوسکتا ہے، اس لئے ہندوستان اور اس جیسے مما لک میں جہاں مسلمان اس موقف میں نہیں ہیں کہ قانون سازی کے کام میں موثر کردار ادا کرسکیں، ضرورت وحاجت کی تعیین میں اس پہلو کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۷ – کسی امر کے بارے میں یہ متعین کرنا کہ وہ موجودہ حالات میں ضرورت یا حاجت کا درجہ رکھتا ہے، یہ نہایت نازک، احتیاط اور دقت نظر کا متقاضی ہے، اس لئے ہر عہد کے علماء، ارباب افتاء کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے حالات کو پیش نظر رکھ کر طے کریں کہ اب کون سے

امور ہیں جو ضرورت وحاجت کے درجہ میں آ گئے ہیں اور ان کی وجہ سے احکام میں تخفیف ہو سکتی ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے نازک مسئلہ میں افراد واشخاص کے بجائے علماء کی ایک مقتدر جماعت ہی فیصلہ کرے، تاکہ دفع حرج کے نام پر اباحیت کا راستہ کھلنے نہ پائے۔

۸ – محرمات کی کسی خاص صورت کو نص کے ذریعہ صراحتاً یا دلالۃً حرمت سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہو تو اس صورت میں حرمت باقی نہیں رہتی ہے، اور اس رخصت سے فائدہ اٹھانا واجب ہے، اس کے علاوہ جن صورتوں میں نص کے ذریعہ یا فقہاء کے اجتہاد کے ذریعہ رخصت وسہولت ثابت ہوتی ہے وہاں صرف رفع اثم ہوتا ہے۔

۹ – ضرورت وحاجت کی بنا پر جو سہولت دی جاتی ہے، اصولی طور پر ان کی حیثیت استثنائی ہوتی ہے۔

محور دوم

ضرورت کی بنا پر اباحت ورخصت کا حکم حرام لعینہ از قبیل حق العبد قتل نفس اور زنا کے ماسوا حقوق العباد، معاملات اور تمام ابواب فقہیہ پر اثر انداز ہوگا، اور اس کی تاثیر کے حدود درج ذیل تفصیلات کے مطابق مختلف ہوں گے:

۱ – احکام اگر مامورات کے قبیل سے ہوں اور ان کے عدم امتثال سے صرف حق شارع متاثر ہوتا ہو، جیسے کلمہ کفر وغیرہ، تو حالت اضطرار میں فی نفسہ حرام ہوتے ہوئے بھی ان امور کے ارتکاب کی رخصت ہوگی، یعنی بقائے حرمت کے باوجود صرف رفع اثم ہوگا۔

۲ – اگر احکامات از قبیل منہیات ہوں اور ان کی خلاف ورزی سے صرف حق شارع متاثر ہوتا ہو، جیسے اکل میتہ، لحم خنزیر، شرب خمر وغیرہ، تو بحالت اضطرار یہ چیزیں مباح ہو جاتی ہیں، یعنی رفع اثم ورفع حرمت دونوں ہو جاتے ہیں، اور محظور پر عمل واجب ہوگا۔

۳- اگر احکامات از قبیل منہیات ہوں اور ان کی خلاف ورزی سے حق العبد متاثر ہوتا ہو، جیسے ناحق قتل، زنا، اتلاف مال مسلم، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: اگر حق العبد کی تلافی ممکن ہو جیسے اتلاف مال مسلم، کہ اس کی تلافی بصورت ضمان ممکن ہے، تو اضطرار کی صورت میں بقائے حرمت کے ساتھ رخصت ہوگی۔

ب: لیکن اگر تلف شدہ حق العبد کی تلافی ممکن نہ ہو جیسے قتل وزنا، تو اس کی رخصت بصورت اضطرار بھی حاصل نہ ہوگی، اور اس پر عمل کرنا حرام ہوگا۔

محور سوم

محرمات کی اباحت میں ضرورت کی طرح کبھی کبھی حاجت بھی موثر ہوتی ہے، اور بعض حالات میں حاجت کو ضرورت کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے، البتہ اس کے لئے کچھ حدود وقیود ہیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

الف: حاجت کے وقت محرمات کی اباحت میں دفع مضرت مقصود ہو، جلب منفعت مقصود نہ ہو، محض جلب منفعت کی غرض سے کسی حرام کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ب: حاجت کی بناپر غیر عادی مشقت کو دفع کرنا مطلوب ہو، وہ مشقت حاجت معتبرہ کے حدود میں نہیں آتی جو عام طور پر انسانی اعمال اور شرعی احکام میں پائی جاتی ہے۔

ج: مقصد کے حصول کے لئے کوئی جائز متبادل طریقہ موجود نہ ہو، یا موجود تو ہو مگر مشقت شدیدہ سے خالی نہ ہو۔

د: حاجت کی بناپر جو حکم ثابت ہوگا وہ بقدر حاجت ہی ثابت ہوگا، اس سے زیادہ اس میں توسع پیدا کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

ھ: کسی مفسدہ کو دور کرنے میں کوئی اس سے بڑا مفسدہ لازم نہ آئے۔

و: حاجت واقعی ہو، محض موہوم نہ ہو۔

محور چہارم

اباحت محظورات کے سلسلہ میں ضرورت معتبرہ کے لئے درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱-ضرورت بالفعل موجود ہو، مستقبل میں پیش آنے والی ضرورتوں کا اندیشہ وخطرہ معتبر نہیں۔

۲-کوئی جائز مقدور متبادل نہ ہو۔

۳-ہلاکت وضیاع کا خطرہ یقینی ہو یا مظنون ظن غالب ہو۔

۴-محرمات کے استعمال یا ارتکاب سے ضرر شدید کا ازالہ یقینی اور نہ استعمال کرنے کی صورت میں اس کا وقوع یقینی ہو۔

۵-بقدر ضرورت استعمال کیا جائے۔

۶-اس کا ارتکاب اس کے مساوی یا اس سے کسی بڑے مفسدہ کا سبب نہ بنے۔

محور پنجم

۱-''ضرورت وحاجت'' جس کی وجہ سے شریعت بہت سے احکام میں رخصت وسہولت دیتی ہے اس کے پیچھے متعدد اسباب ہوتے ہیں، یہ وہ اسباب ہیں جن کو فقہاء وعلماء ''اسباب رخصت'' اور''اسباب تخفیف'' کے عنوان سے ذکر کیا کرتے ہیں۔

معروف قول کے مطابق یہ اسباب سات ہیں:

سفر، مرض، اکراہ، نسیان، جہل، عسر وعموم بلویٰ اور نقص۔

۲-''عرف وعموم بلویٰ'' پر مبنی ہونے والے احکام میں اکثر وبیشتر ''ضرورت

وحاجت'' اور ''رفع حرج'' ملحوظ ہوتا ہے، اگرچہ فقہی طور پر ''عرف وعموم بلویٰ'' اور اس پر مبنی ہونے والے احکام کا دائرہ کچھ وسیع ہے۔

محور ششم

۱- شرکاء سمینار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی معاملہ میں عمومی حرج وتنگی اور حاجت عامہ پیدا ہونے کی صورت میں بعض اوقات اسے ضرورت واضطرار کا درجہ دے دیا جاتا ہے، اور سماج کو غیر معمولی ضرر اور تنگی لاحق ہونے کی صورت میں ممنوع وحرام چیز مباح قرار پاتی ہے۔

۲- جن چیزوں کی حرمت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے، اگر ان میں سے کسی کے بارے میں حاجت عامہ اور عمومی حرج وضیق پیدا ہو تو انہیں ضرورت کا درجہ دے کر منصوص حرمت سے استثناء، بہت ہی نازک اور ذمہ داری کا کام ہے، تمام اجتماعی اور ملی حاجات ایک درجہ کی نہیں ہوتیں، ان کا دائرہ اور ناگزیریت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، اس لئے اجتماعی حاجتوں کا شرعی حکم متعین کرنے سے پہلے ان میں سے ہر ایک کا انتہائی گہرا مطالعہ ضروری ہے۔

۳- جب کوئی اجتماعی حاجت اس درجہ اہمیت حاصل کر لے کہ اس سے لوگوں کا بچنا انتہائی دشوار اور اس کا کوئی جائز قابل عمل متبادل موجود نہ ہو یا قانونی جبر کی وجہ سے اس سے چارہ کار نہ ہو تو اس کی بنا پر منصوص حرمت پائے جانے کے باوجود اجتماعی حاجت موجود رہنے تک جواز کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

۴- کسی اجتماعی حاجت کے بارے میں اس طرح کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس کا انتہائی گہرا اور عمیق جائزہ ضروری ہے۔ اس جائزے میں حسب ضرورت ماہرین قانون، ماہرین سماجیات وغیرہ سے مدد لی جائے، اجتماعی حاجت جس شعبۂ زندگی سے متعلق ہے اس سے تعلق رکھنے والے افراد سے ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی مقاصد شریعت اور احکام

شریعت پر نظر رکھنے والے خدا ترس اصحاب بصیرت علماء اور فقہاء اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون سی اجتماعی حاجت اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اسے نظر انداز کرنے میں فوری طور پر یا مستقبل میں ملت کو غیر معمولی ضرر لاحق ہونے کا خطرہ ہے، لہذا اس کے جواز کا فیصلہ کیا جانا چاہئے۔

۵ - جن معاملات میں اجتماعی حاجت کی بنیاد پر نصوص میں تخصیص یا استثناء کا مرحلہ درپیش ہے ان کا فیصلہ علماء اور اصحاب افتاء انفرادی طور پر نہ کریں، بلکہ علماء اور فقہاء کی معتد بہ تعداد پورے غور وخوض کے بعد مقاصد شریعت، احکام شریعت، فقہی اصول وقواعد کی روشنی میں باہمی مشورہ سے اس کا فیصلہ کریں، اجتماعی فیصلہ ہی ایسے نازک معاملات میں محتاط اور قابل اطمینان ہوتا ہے۔

نوٹ: مفتی شبیر احمد صاحب مرادآباد کو حرمت منصوص قطعی کی صورت میں حاجت عامہ کی وجہ سے گنجائش کے بارے میں اختلاف ہے۔

شریعت میں عرف وعادت کا اعتبار اور اس کے اصول وقواعد ☆

حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامی کی سب سے بڑی خصوصیت مسائل زندگی کی بابت عدل اور اعتدال ہے، نہ شریعت اسلامی کا مزاج یہ ہے کہ وہ وضعی قوانین کی طرح ہر روز اور ہر آن تبدیلی قبول کرتی رہے، اور ایک بات خواہ کسی قدر بھی نامعقول اور مصالح اور اخلاقی قدروں کے مغائر ہو،لیکن اگر اس نے رواج کا درجہ حاصل کرلیا ہو،لوگ اس کو برتنے لگے ہوں تو اس کو بہر حال قبول کرلیا جائے ، یہ مصالح انسان کی رعایت نہیں بلکہ مفاسد کے سامنے سپر انداز ہونا ہے، اور اسلام اس کی کسی طور پر اجازت نہیں دے سکتا، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو قانون زندگی کے ساتھ چلنا چاہتا ہواور اپنی ابدیت اور دوام واستمرار کا مدعی ہو اس کے لئے ایک خاص حد میں سماجی رواجات اور عرف کو قبول کرنا ناگزیر ہے، چنانچہ فقہ اسلامی میں بہت سے احکام کی بنیاد عرف پر رکھی گئی ہے، قرآن وسنت، آثار صحابہ اور قیاس سے عرف وعادت کے معتبر ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اور اس کے معتبر ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

اسی پس منظر میں فقہ اسلامی میں عرف کی حیثیت ، اس کے مقام اور اس کے معتبر ہونے کی صورت واصول وشرائط پر تفصیلی بحث اور غور وفکر کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

☆ آٹھواں فقہی سمینار (علی گڑھ) بتاریخ ۲۷ - ۲۹ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۲ - ۲۴/اکتوبر ۱۹۹۵ء۔

عرف کی حقیقت اوراس کی مختلف اقسام

۱-عرف لغوی طور پر جانی پہچانی چیز کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شرع کے اندر عرف سے مراد وہ اقوال وافعال ہیں جو معاشرہ میں رائج ہوں اور لوگ ان پر عمل پیرا ہوں۔

۲-''عادت'' کالغوی معنیٰ کسی امر کے مکرر پیش آنے کے ہیں، اور اصطلاحی طور پر عقلی رشتہ کے بغیر کسی امر کا اس طرح بار بار پیش آنا کہ طبعی امور کی طرح اس کی انجام دہی آسان ہوگئی ہو، عادت کہلاتی ہے۔

۳- عرف وعادت کے درمیان کوئی حقیقی فرق نہیں ہے، مصداق کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں گو مفہوم کے اعتبار سے جدا جدا ہیں۔

۴-عرف اور اجماع کے درمیان فرق یہ ہے کہ عرف عام لوگوں کے قول وعمل سے وجود میں آتا ہے جبکہ اجماع مجتہدین کے اتفاق کا نام ہے۔

۵-موضوع کے اعتبار سے عرف کی دوقسمیں ہیں: عرف قولی، عرف فعلی۔

بعض الفاظ یا تراکیب لوگوں کے درمیان کسی خاص معنیٰ میں مروج ہو جائیں اور جب وہ بولا جائے تو کسی قرینہ اور عقلی دلیل کے بغیر وہ معنیٰ سمجھا جائے، عرف قولی ہے۔ اور کسی عمل کے بارے میں لوگوں کی عادت ورواج عرف عملی ہے۔

۶-عرف لفظی اور عرف عملی دونوں احکام شرعیہ میں معتبر ہیں۔

دنیا کی بیشتر مسلم آبادیوں میں جو امر معروف ومروج ہوجائے وہ عرف عام ہے، اور جو کسی ایک شہر یا صوبہ یا کسی خاص آبادی یا ایک مخصوص طبقہ تک محدود ہو وہ عرف خاص ہے۔

۷-ہر وہ رواج وعرف جو شریعت کی کسی نص، یا مقصد ومصلحت معتبرہ سے ٹکراتا ہو وہ فاسد قرار پائے گا، جیسے مروجہ جہیز یا نقد رقم کا مطالبہ کرنا، لڑکیوں کو میراث سے محروم رکھنا، گروی زمینوں وغیرہ سے فائدہ اٹھانا۔

عرف کے معتبر ہونے کی شرطیں

شریعت میں عرف کے معتبر ہونے کی چار شرطیں ہیں:

۱- عرف کلی یا اکثری ہو، یعنی معاشرہ میں سو فیصد اس کا رواج ہو یا معاشرہ کی غالب اکثریت اس عرف پر عمل پیرا ہو۔

۲- کسی تصرف یا معاملہ کے پیش آنے سے پہلے وہ عرف موجود رہا ہو اور پیش آنے کے وقت تک موجود ہو۔

۳- معاملہ کرنے والوں کی طرف سے عرف کے خلاف کوئی صراحت موجود نہ ہو۔

۴- عرف کو اختیار کرنے کی صورت میں شریعت کی کوئی صریح قطعی نص یا شریعت کا کوئی قطعی اصول متاثر نہ ہوتا ہو۔

عرف اور شرعی دلائل میں تعارض

۱- عرف عام اگر کسی نص عام سے اس طور پر متعارض ہو کہ عرف عام پر عمل کرنے سے نص کا ترک لازم نہ آئے بلکہ نص کی تخصیص لازم آئے تو اس صورت میں عرف عام کی بنا پر نص عام کی تخصیص درست ہے۔

۲- اگر عرف عام نص سے متصادم ہو یہاں تک کہ عرف عام کا اعتبار کرنے میں نص کا ترک لازم آئے تو عرف عام شرعاً ناقابل قبول اور غیر معتبر ہوگا۔

۳- جن نصوص کا عرف پر مبنی ہونا ثابت اور متحقق ہو ان میں عرف کی تبدیلی سے حکم میں تبدیلی کی جاسکتی ہے، لیکن کسی نص کے بارے میں یہ طے کرنا کہ اس کی بنیاد عرف پر ہے، بڑا نازک اور انتہائی ذمہ داری کا کام ہے، یہ فیصلہ علوم اسلامیہ میں غیر معمولی مہارت رکھنے والے دقیق النظر محتاط اور خدا ترس علماء اور فقہاء اجتماعی طور پر ہی کر سکتے ہیں۔

۴ – اگر عرف عام ایسے مسئلہ سے متصادم ہو جس کا ثبوت قیاس سے ہے تو عرف عام کو ترجیح ہوگی اور اس کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

۵ – اگر عرف خاص کا دائرہ بہت محدود ہو تو اس کی بنیاد پر قیاس کا ترک کرنا درست نہیں۔

۶ – اگر عرف خاص کا دائرہ بہت وسیع ہو تو اس کی بنا پر قیاس کا ترک کرنا درست ہے۔

۷ – اگر عرف شریعت کے بنیادی مقاصد و مصالح سے متصادم ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

عرف کی تبدیلی سے حکم میں تبدیلی

۱ – ظاہر روایت کے جو مسائل صریح نصوص (کتاب وسنت) سے ثابت ہوں انہیں عرف کی بنیاد پر ترک نہیں کیا جائے گا، البتہ ظاہر روایت کے دوسرے مسائل کو عرف کی بنا پر ترک کیا جا سکتا ہے۔

۲ – اگر ایک مکتب فقہ میں منقول اقوال عرف کے خلاف ہوں اور دوسرے مکتب فقہ میں ایسی رائے موجود ہو جو عرف و عادت کے مطابق ہو تو ایسی صورت میں عرف کے مطابق حکم کو (اعتبار عرف کی شرطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے) اختیار کرنا "عدول عن المذہب" نہیں ہے، بلکہ عرف کو ہی اختیار کرنا ہے۔

۳ – جو احکام فقہیہ نصوص کی بجائے محض عرف و عادت پر مبنی ہوں ان میں عرف کی تبدیلی کی صورت میں نئے عرف کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔

عباداتی مسائل

انقلاب ماہیت اور طہارت ونجاست وحلت وحرمت پر اس کا اثر ☆

۱- شریعت میں جن اشیاء کو حرام یا ناپاک قرار دیا گیا ہے ان کی حرمت ونجاست اس شی کی ذات سے متعلق ہے، اگر کسی انسانی فعل، کیمیائی یا غیر کیمیائی تدبیر، یا کسی انسانی فعل کے بغیر طبعی اور ماحولیاتی اثر کے تحت اس شی کی اصل حقیقت اور ماہیت تبدیل ہوگئی تو اس شی کا سابق حکم باقی نہیں رہے گا، اس میں نجس العین اور غیر نجس العین کا کوئی فرق نہیں۔

۲- تبدیلی ماہیت سے مراد یہ ہے کہ اس شی کے وہ خصوصی اوصاف بدل جائیں جن سے اس شی کی شناخت متعلق ہے، دوسرے غیر مؤثر اوصاف جو اس شی کی حقیقت میں داخل نہیں، کا اس شی میں باقی رہ جانا تبدیلی ماہیت میں مانع نہیں۔

۳- اگر حلال وپاک اشیاء میں حرام وناپاک شی کا صرف اختلاط ہو، اصل حقیقت تبدیل نہ ہو، تو وہ حرام اور ناپاک ہی باقی رہے گی۔

۴- یہ سمینار محسوس کرتا ہے کہ الکحل اور جیلاٹین وغیرہ میں قلب ماہیت کے محقق ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں کوئی قطعی رائے قائم کرنے سے پہلے ماہرین کیمیاء سے مناسب معلومات حاصل کرنا ضروری ہے، اس لئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذمہ داروں سے خواہش کرتا ہے کہ اس موضوع پر فیصلہ کو کسی قریبی آئندہ سمینار تک ملتوی رکھا جائے۔ اور پہلے

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کٹولی) بتاریخ ۱۸-۲۱/محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء۔

اس سلسلہ میں ماہرین سے ضروری معلومات حاصل کی جائیں اور ان سے علماء وارباب افتاءکو آگاہ کیا جائے تاکہ ان کو رائے قائم کرنے میں سہولت ہو۔

۵ – یہ سمینار مسلمان میڈیکل سائنس دانوں اور خاص کر عالم اسلام کے ارباب حل و عقد سے خواہش کرتا ہے کہ وہ طبی اغراض کے لئے دواؤں میں استعمال ہونے والے حرام و ناپاک اجزاء کا متبادل نباتات، جمادات اور حلال مذبوح حیوانات سے دریافت کریں، تاکہ حرام ومشتبہ دواؤں سے اجتناب ممکن ہو سکے، کہ بحیثیت مسلمان یہ ان کا نہایت اہم مذہبی اور دینی فریضہ ہے۔

مسجد کی شرعی حیثیت ☆

مساجد کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر بالکل واضح ہے اور اس پر جمہور امت کا اتفاق ہے کہ جس مقام پر ایک بار مسجد بنادی گئی وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہے، اب نہ اس کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے نہ وہ خطۂ ارض کسی اور کو ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی شخص یا حکومت اس کی حیثیت کو تبدیل کرسکتی ہے، مسجد دراصل وہ حصہ زمین ہے جسے ایک دفعہ مسجد کے لئے وقف کردیا گیا ہو، مسجد صرف در و دیوار اور مسجد میں استعمال ہونے والے تعمیری سامان کا نام نہیں، اس لئے اگر مسجد کی عمارت منہدم ہوجائے یا اسے ظلماً منہدم کردیا جائے یا کسی وجہ سے طویل عرصہ تک وہاں نماز نہ پڑھی جائے تب بھی وہ مسجد باقی رہتی ہے، اور مسلمانوں پر اس کو دوبارہ آباد کرنا شرعاً واجب ہے۔

مسجد کا مقصد کائنات کے حقیقی خالق و مالک کی عبادت اور غیر اللہ کی معبودیت کی نفی ہے، اس لئے مسجد کی زمین پر بت خانہ بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی، کیونکہ یہ مسجد کے مقصد کے عین برعکس بات ہوگی، اور یہ نہ صرف مذہب وعقیدہ بلکہ تقاضائے عقل کے بھی خلاف ہوگا کہ کوئی چیز اپنے برعکس مقصد کے لئے استعمال کی جائے۔

اسلام دنیا میں عقیدۂ توحید کا نمائندہ مذہب ہے اور وہ پوری انسانیت کو اس سچائی کی طرف دعوت دیتا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور رب ایک ہی قادر مطلق ذات ہے جس کا کوئی

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کٹولی) بتاریخ ۱۸-۲۱ محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶ اپریل ۲۰۰۱ء۔

شریک نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمیں عدل اور رواداری کی تعلیم بھی دیتا ہے، وہ مذہب کے معاملہ میں کسی جبر واکراہ کا قائل نہیں، اس نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کسی فرد یا قوم کی انفرادی یا قومی اور مذہبی زمین پر قبضہ کر کے اسے زبردستی مسجد بنالیا جائے، اس لئے نہ صرف تاریخ بلکہ عقیدہ اور اسلامی تاریخ کی رو سے بھی یہ بات صریحاً غلط ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک میں کسی زمین یا کسی قوم کی عبادت گاہ پر قبضہ کر کے اسے مسجد بنایا ہو۔

لہٰذا اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سمینار متفقہ طور پر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ بابری مسجد یا کسی اور مسجد کے بارے میں ایسی کوئی صلح شرعی اعتبار سے قطعاً جائز نہیں کہ جس کا مقصد مسجد کی حیثیت کو تبدیل کرنا یا نعوذ باللہ اسے بت خانہ بنانا ہو، اور یہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اور علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔

حج وعمرہ کے مسائل ☆

۱- حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے، جو عمر بھر میں ایک ہی دفعہ فرض ہے، عام طور پر حجاج کو اس کے لئے طویل سفر کی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے اور کثیر اخراجات بھی برداشت کرنے ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا اجر وثواب بھی بے حد رکھا ہے اور آپ ﷺ نے اس عبادت کو ایک طرح کا جہاد قرار دیا ہے، پس حجاج کو چاہئے کہ وہ اس راہ کی مشقتوں کو ایک سعادت سمجھ کر برداشت کریں، افعال حج میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھیں اور جن مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے اور ایک میں توسع اور دوسرے میں احتیاط کا پہلو ہے، تو ایسی صورت حتی الوسع اختیار کرنے کی کوشش کریں کہ اس کا عمل دونوں ہی آراء کے مطابق درست قرار پائے، اور اس عظیم عبادت کی انجام دہی میں تن آسانی اور سہل انگاری سے بچا جائے۔

۲- حدود میقات سے باہر رہنے والے ہوں یا مکہ اور حل میں رہنے والے، اگر حدود میقات کے باہر سے مکہ کی نیت کر کے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں، خواہ وہ حج اور عمرہ کی نیت سے جائیں یا کسی اور مقصد سے۔

موجودہ حالات میں جبکہ تجار، دفاتر میں کام کرنے والے، ٹیکسی چلانے والے اور دیگر پیشہ وارانہ کام کرنے والے کبھی ہر روز، کبھی ہر دوسرے تیسرے دن، اور بعض لوگوں کو تو ایک دن

☆ دسواں فقہی سمینار (ممبئی) بتاریخ ۲۱-۲۴ / جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴-۲۷ / اکتوبر ۲۰۱ء۔

میں ایک سے زیادہ دفعہ حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے، ایسی حالت میں اس طرح کے لوگوں کو ہر بار احرام اور ادائے عمرہ کی پابندی بے حد مشقت طلب اور دشوار ہے، اس لئے ان حضرات کے لئے بغیر احرام باندھے حدود حرم میں داخلہ کی گنجائش ہوگی۔

۳- جو لوگ مکہ کے اصلاً رہنے والے ہیں یا وہاں مقیم ہیں، اصلاً ان کے لئے تمتع نہیں ہے، اس لئے انہیں اشہر حج میں عمرہ نہیں کرنا ہے، وہ شخص جس پر اس سال حج فرض ہے اور وہ اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے اسے اشہر حج میں میقات کے باہر جانے سے پرہیز کرنا چاہئے، اور اگر وہ تجارتی، دفتری اور اپنی پیشہ وارانہ مجبوریوں کے باعث باہر جانے پر مجبور ہے تو وہ تجویز (۲) پر عمل کرتے ہوئے میقات سے اندر داخل ہوتے ہوئے احرام نہ باندھے اور عمرہ نہیں کرے۔

مکہ میں مقیم سے مراد وہ لوگ ہیں جو اشہر حج کے شروع ہونے سے قبل صحیح طریقہ سے مکہ میں آکر مقیم ہو گئے یا کم از کم ایک سال سے وہاں اقامت پذیر ہوں۔

۴- تمتع کرنے والے آفاقی حجاج حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کر سکتے ہیں۔

۵- رمی جمرات کے سلسلہ میں عام طور پر آج کے زمانہ میں حجاج میں جو بات رواج پا رہی ہے کہ وہ معمولی اعذار بلکہ بغیر عذر بھی خود رمی کو نہیں جاتے اور دوسروں کو نائب بنا دیتے ہیں، جملہ علماء اس پر متفق ہیں کہ اس صورت میں حج کا ایک واجب ترک ہوجاتا ہے، یہ نیابت شرعاً معتبر نہیں ہے اور ایسا کرنے والے پر دم واجب ہے، ہاں وہ لوگ جو جمرات تک چل کر جانے کی طاقت نہیں رکھتے یا بہت مریض اور کمزور ہیں ایسے لوگوں کے لئے نائب بنانا جائز ہے۔

۶- محض ازدحام عذر نہیں ہے، اس کا بہتر حل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس ازدحام میں جاکر رمی کرنے کا متحمل نہیں تو وہ وقت مسنون کے بعد وقت جواز بلکہ زیادہ دشواری میں وقت

کراہت میں بھی رمی کرسکتا ہے، اس کے لئے یہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

۷ – حنفیہ کے قول راجح کے مطابق ۱۰ر ذی الحجہ کے مناسک میں رمی، ذبح اور حلق کو ترتیب کے ساتھ انجام دینا واجب ہے، اور صاحبین اور اکثر فقہاء کے یہاں مسنون ہے جس کی خلاف ورزی سے دم واجب نہیں، حجاج کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو ترتیب کی رعایت کو ملحوظ رکھیں تاہم ازدحام اور موسم کی شدت، اور مذبح کی دوری وغیرہ کی وجہ سے صاحبین اور دیگر ائمہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، لہذا اگر یہ مناسک ترتیب کے خلاف ہوں تو بھی دم واجب نہیں ہوگا۔

۸ – دنیا بھر سے لاکھوں حجاج موسم حج میں مکہ پہنچتے ہیں اور مناسک حج ادا کرتے ہیں۔

الف: حج کے جملہ انتظامات کی ذمہ داری حکومت سعودیہ پر ہے، حج ایک اجتماعی عبادت ہے، اس کو نظم وضبط کے ساتھ ادا کیا جانا ضروری ہے، لاکھوں انسانوں کے قیام وسفر، ان کی صحت، جان ومال کا تحفظ بغیر نظم وضبط کے ممکن نہیں ہے، ایسے حالات میں حکومت سعودیہ بہت سی انتظامی پابندیاں عائد کرتی ہے جس سے حاجیوں کی تعداد اتنی رکھی جاسکے جس کا انتظام بہتر طور پر ہوسکے، حکومت سعودیہ کے انتظامی احکامات کی پابندی تمام ہی لوگوں پر ضروری ہے، یہ امر بالمعروف ہے جس کی اطاعت لازم ہے، لہذا حکومت سعودیہ کے احکام وضوابط کے مطابق سعودیہ میں مقیم مسلمانوں کو اگر ہر سال حج کرنے سے منع کیا جائے تو اس کی پابندی شرعاً ضروری ہے۔

ب: اگر کوئی شخص ان پابندیوں کی مخالفت کرتے ہوئے بھی احرام حج باندھ کر میقات سے آگے بڑھ جائے اور پھر پکڑا جائے اور اسے انتظامیہ واپس کردے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو شرعاً محصر عن الحج کا ہے یعنی اسے حرم میں ایک دم دینا واجب ہوگا، اور جس تاریخ اور جس وقت پر حرم میں اس کی طرف سے دم احصار ادا کیا جائیگا اس وقت وہ احرام کی پابندیوں سے باہر آسکے گا۔

۹ - اگر اصطلاح شرع کے مطابق واقعی حج بدل ہوتو اس صورت میں عام اصول کے مطابق حج افراد ادا کیا جانا چاہئے، لیکن حج بدل کرنے والے کو چاہئے کہ حج بدل کرانے والے کو مسئلہ سمجھا کر اس سے حج تمتع یا مطلق حج کی اجازت حاصل کرلے، اگر کسی وجہ سے اس نے اس کے لئے اجازت نہیں لی تو چونکہ عام طور سے حج تمتع کیا جاتا ہے، خود حج کرانے والا اگر حج کرتا تو سہولت کی بنیاد پر حج تمتع کرتا، لہذا عرف وعادت کے پیش نظر مامور کے لئے حج تمتع کی اجازت ہوگی، اس صورت میں میقات سے عمرہ کا احرام بھی آمر کی طرف سے کرنا ہوگا اور اس صورت میں دم شکر بھی آمر کے خرچ سے ادا کیا جائے گا۔

۱۰ - اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض یا نفاس آجائے اور اس کے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کی گنجائش نہ ہو کہ وہ حیض یا نفاس سے پاک ہو کر طواف زیارت کرسکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح اس کی کوشش کرے کہ اس کے سفر کی تاریخ آگے بڑھ سکے تاکہ وہ پاک ہو کر طواف زیارت ادا کرنے کے بعد اپنے گھر واپس جاسکے، لیکن اگر ایسی ساری ہی کوششیں ناکام ہوجائیں اور پاک ہونے سے پہلے اس کا سفر ناگزیر ہوجائے تو ایسی حالت میں وہ طواف زیارت ادا کرسکتی ہے، یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوگا، اور وہ پورے طور پر حلال ہوجائیگی، لیکن اس پر ایک بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی بطور دم جنایت حدود حرم میں لازم ہوگی۔

۱۱ - سفر حج میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور اس نے ابھی احرام نہیں باندھا ہے اور اس کے لئے وطن واپسی ممکن ہے تو وہ اپنے وطن واپس جا کر عدت گزارے، اور اگر احرام باندھ چکی ہے یا واپسی کا سفر دشوار ہے تو وہ ایام عدت میں حج وعمرہ ادا کرلے۔

۱۲ - حج کا سفر کرنے والا ایام حج سے اتنا پہلے مکہ مکرمہ پہنچ رہا ہے کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے پہلے ہی حج شروع ہوجاتا ہے اور منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مسافر ہوگا، اسے چار رکعت والی نمازوں میں قصر کرنا ہوگا۔

۱۳ - بلاد عرب میں عموماً وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کی جاتی ہیں، احناف کے

لئے بھی ایسے امام کی اقتداء میں نماز وتر ادا کرنے کی گنجائش ہے، اگر امام وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے اور امام کے ساتھ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔

اوقاف سے متعلق مسائل ☆

۱- اسلام میں نیکی کے کاموں اور خیراتی مقاصد کے لئے زمین، جائداد اور مال وقف کرنا بہت بڑا کارِ ثواب اور صدقۂ جاریہ ہے، اس لئے مسلمان جس ملک اور جس علاقہ میں بھی آباد ہیں نیک کاموں کے لئے زمین، جائداد اور مال وقف کرتے ہیں، ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ بہت پرانی ہے، سیکڑوں سال سے ہندوستان کے ہر علاقہ میں آباد ہیں، اس لئے ہندوستان کے ہر صوبہ اور علاقہ میں مختلف دینی اور رفاہی وخیراتی مقاصد کے لئے مسلم اوقاف موجود ہیں، ان اوقاف کی حفاظت، انہیں ترقی دینا اور ان کی آمدنی وقف کرنے والوں کے مقاصد کے مطابق خرچ کرنا، نیز اوقاف کی املاک سے غاصبانہ قبضہ ختم کرنا ہندوستانی مسلمانوں اور حکومت ہند کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

۲- اوقاف کے بارے میں اسلام کا اصل نقطۂ نظر یہ ہے کہ اوقاف دائمی ہوتے ہیں، اس لئے عام حالات میں ان کو فروخت کرنا یا منتقل کرنا جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا وقف کے بارے میں ارشاد ہے: "لاتباع ولا توهب ولاتورث" (نہ فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے) لہذا اوقاف کی جائدادوں کو حسب سابق باقی رکھتے ہوئے انہیں نفع آور اور مفید بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے، اور اس سلسلہ میں ایسے قانون بننے چاہئیں جن سے اوقاف کی جائدادوں کا پورا تحفظ ہو اور وقف کرنے

☆ دسواں فقہی سمینار (ممبئی) بتاریخ ۲۱-۲۳/جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴-۲۷/اکتوبر ۱۹۹۷ء۔

والوں کے مقاصد کی رعایت کے ساتھ اوقاف کی افادیت اور نافعیت میں اضافہ ہو۔

۳- دوسرے اوقاف کے مقابلہ میں مساجد کو زیادہ تقدس واحترام حاصل ہے، مساجد کی فروخت اور منتقلی کسی حال میں درست نہیں، حتی کہ اگر مسجد ویران ہوجائے اور وہاں نماز ادا کرنے کا سلسلہ موقوف ہوجائے تو بھی وہ زمین جہاں مسجد کی عمارت تھی مسجد ہی رہتی ہے، اور اسے مسجد کا تقدس واحترام حاصل ہوتا ہے، وہاں مسجد بنانے اور آباد کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلاَ تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا﴾ [سورہ جن / ۱۸]۔ ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ﴾ [سورہ توبہ / ۱۸]۔

۴- مساجد میں نماز کی ادائیگی سے روکنا بدترین ظلم اور گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ [سورۃ بقرہ / ۱۱۴]۔ کسی مسجد میں مسلمانوں کو خواہ کتنے طویل زمانہ سے نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو یا اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیا گیا ہو یا عمارت منہدم کردی گئی ہو، اسلامی شریعت کی نظر میں وہ مسجد ہی رہتی ہے۔

۵- آثار قدیمہ کے تحت جو مساجد ہیں ان میں نماز کی ادائیگی کو روکنا شرعاً ظلم ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ [سورۃ بقرہ / ۱۱۴]۔

۶- تقسیم ہند کے موقع پر ہندوستان کے بعض علاقوں (خصوصاً پنجاب، ہریانہ، دہلی اور مغربی یوپی کے بعض علاقے) سے بڑے پیمانے پر مسلمان پاکستان منتقل ہوگئے، ان علاقوں میں مسلمانوں کے مختلف النوع بڑے بڑے اوقاف (مساجد، مدارس، خانقاہیں، قبرستان، سرائے وغیرہ) ہیں، ان علاقوں میں اگر کچھ بھی مسلمان آباد ہیں تو ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان اوقاف کے تحفظ اور انہیں نفع آور بنانے کی جدوجہد کریں، جو آبادیاں مسلمانوں

سے کلیۃً خالی ہوچکی ہیں وہاں کے اوقاف کا تحفظ وہاں کے وقف بورڈ کی ذمہ داری ہے، اور قریبی مسلم آبادی کو ان کے تحفظ کی جد وجہد کرنی چاہئے۔

۷ – مساجد کے علاوہ دوسرے وہ اوقاف جو ان مقامات میں واقع ہیں جہاں پر دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا نا قابل عمل ہوگیا ہے اور ان اوقاف پر قبضہ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے، ایسے اوقاف کو فروخت کر کے دوسرے مقامات پر اسی نوع کے اوقاف قائم کرنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ درست ہے:

الف: اس بات کی تحقیق کرلی گئی ہو کہ مسلمانوں کی آبادی ان مقامات سے کلیۃً ختم ہوچکی ہے، اور مستقبل قریب میں وہاں مسلمانوں کے آباد ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔

ب: وقف جائداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکیٹ ویلو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے، اتنی کم قیمت پر اسے فروخت نہ کی جائے جتنی کم قیمت قیمتوں کے ماہرین نہیں لگا سکتے۔

ج: وقف کو فروخت کرنے والے متولی یا وقف افسر اس کی فروختگی اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اس کا مفاد وابستہ ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروختگی نہ کرے جس کا قرض یا مالی دین فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہے۔

د: وقف جائداد کی فروختگی روپیہ پیسہ کے بجائے جائداد سے کی جائے، اور اگر کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے نقد روپیوں سے فروختگی کی جائے تو جلد سے جلد اس کے ذریعہ جائداد خرید کر متبادل وقف قائم کردیا جائے۔

ھ: وقف کے تبادلہ اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کرکے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی شرعی کمیٹی دے جس میں مسائل اوقاف سے واقف متقی وخدا ترس علماء اور مسلمان متدین ماہرین قانون ضرور شامل ہوں، موقوفہ جائداد کی فروختگی اور تبادلہ کے لئے

وقف بورڈ یا وقف آفیسر کی اجازت شرعاً کافی نہیں ہے، اس سلسلہ میں وقف ٹریبونل (Tribunal) کی اجازت شرعاً اس وقت معتبر ہوگی جب اس نے کم سے کم تین مستند مفتیان کرام کی رائے لینے اور مشورہ طلب کرنے کے بعد ان کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔

نوٹ: یہ وضاحت ضروری ہے کہ موقوفہ دوکان، مکان، زمین، جائداد کو فروخت کر کے جو دوکان، مکان، زمین، جائداد خریدی جائے گی وہ بھی انہیں مقاصد کے لئے وقف ہوگی جن کے لئے پہلا وقف پراپرٹی وقف تھی۔

۸ -الف: ویران غیر آباد اوقاف کی آمدنی مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے وقف نامہ میں مذکور مدّات پر صرف کی جائے، اور اگر یہ مدّات موجود نہ ہوں تو ان سے قریب ترین مدّات پر صرف کیا جائے، منشاء واقف کا لحاظ کئے بغیر دیگر مصارف پر صرف کرنا درست نہ ہوگا۔

ب: اگر ویران غیر آباد اوقاف فروخت کرنے پڑیں تو ان کا متبادل وقف قائم کرنا ضروری ہوگا۔

۹ -مسجد پر وقف زائد اراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے، ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں درست ہوگا:

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضۂ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلّہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہوتو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی

مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔

۱۰- مساجد پر وقف اراضی جن کا مقصد مساجد کے لئے آمدنی فراہم کرنا ہے، ان کو مناسب کرایہ پر مسلمانوں کی دینی، عصری یا ٹیکنکل تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے لئے دیا جاسکتا ہے، لیکن معاملات اس طرح طے کئے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔

۱۱- جن مساجد کے پاس ان کے مصارف سے کہیں زیادہ آمدنی ہے اور یہ آمدنی سال بہ سال جمع ہوکر بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے، مستقبل قریب میں بھی مساجد کو اس زائد سرمایہ کی ضرورت پیش آنے کی امید نہیں ہے، مساجد کی ایسی زائد آمدنی کو دوسرے مقامات پر (جہاں ضرورت ہو) مساجد تعمیر کرنے یا محتاج مساجد کی امداد میں صرف کیا جائے، کیونکہ ہندوستان میں اب بھی ایسی بہت سی آبادیاں ہیں جہاں کوئی مسجد اور دینی مکتب نہیں ہے، مسلمان اذان کی آواز کو ترستے ہیں، مالدار مساجد کی فاضل آمدنی سے ایسی آبادیوں میں مساجد قائم کئے جائیں۔

۱۲- مساجد کے مصارف کے لئے موقوفہ اراضی اور جائدادوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک اہم مصرف مساجد کے ائمہ، مؤذنین اور دوسرے خدام بھی ہیں، شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ بسا اوقات مساجد کی آمدنی میں گنجائش ہونے کے باوجود ائمہ ومؤذنین وغیرہ کی تنخواہیں بہت کم رکھی جاتی ہیں جوان کی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہوتی ہیں، اس لئے سمینار سفارش کرتا ہے کہ متولیان اور مساجد کے ذمہ داران ائمہ ومؤذنین وخدام مساجد کو بہتر سے بہتر اکرامیہ پیش کریں، اور ان کی تنخواہوں کے مسئلہ کو مساجد کے ضروری مصارف میں شمار کریں۔

۱۳- دیگر اوقاف کی زائد آمدنی جن کی اوقاف کو نہ فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے اور اس کی حفاظت متولیان کے لئے بہت مشکل ہے،

حکومت یا بددیانت افراد کی طرف سے دست اندازی یا قبضۂ غاصبانہ کا خطرہ ہے، اوقاف کی ایسی زائد آمدنی کو اسی نوع کی مدات میں صرف کیا جائے، مثلاً مدارس کی زائد آمدنی کو مدارس میں، مسافر خانوں کی زائد آمدنی کو مسافر خانوں میں صرف کیا جائے۔

۱۴- اگر کسی وقف کی آمدنی معقول ہو تو محض زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے اس کی فروختگی درست نہیں کہ اصل وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، البتہ اگر موقوفہ جائداد کی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ وقف پراپرٹی کے ضروری اخراجات اس سے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کے لئے قرض لینا پڑتا ہو اور اس موقوفہ جائداد کی آمدنی بڑھانے کی کوئی شکل نہ ہو، ایسی صورت میں تجویز (۷) میں ذکر کردہ شرائط (ب، ج، د، ہ) کی پابندی کے ساتھ موقوفہ جائداد کو فروخت کر کے زیادہ منفعت بخش جائداد خریدنا درست ہوگا، اگر واقف زندہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔

۱۵- جن اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہے، اور نہ ہی مستقبل قریب میں حاصل ہونے کی امید ہے، ایسے اوقاف کے متولیان کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کرسکتے ہیں کہ بلڈر اس شرط کے ساتھ عمارت تعمیر کرے کہ ایک خاص مدت تک وہ پوری عمارت یا اس کا ایک حصہ اس کے پاس بطور کرایہ رہے گا، اور اس طرح اسے سرمایہ کاری کا فائدہ حاصل ہوجائے گا، اس طرح معاملہ کرنا درست نہیں کہ چند منزلہ عمارت کی ایک منزل یا دو منزل کی ملکیت بلڈر کی طرف ہوجائے۔

۱۶- قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے اردگرد چہاردیواری تعمیر کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے، لیکن دوکانوں کا راستہ قبرستان کے باہر سے ہونا چاہئے، اس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر

دوکانوں کی تعمیر کرائی جائے، دوکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی قبرستان کی حفاظت و ضروریات میں صرف کی جائے، لیکن اس کا لحاظ رکھا جائے کہ دوکانیں تعمیر کرنے میں ایسی قبریں متاثر نہ ہوں جن کے نشانات باقی ہیں۔

۱۷- حکومت ہند نے مسلم اوقاف کے لئے جو پارلیمانی کمیٹی بنائی ہے اس کے سامنے وقف ایکٹ میں ضروری ترمیمات کا مسودہ پیش کرنے اور مفید تجاویز کے لئے سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل قاضی مجاہد الاسلام قاسمی سے سفارش کرتا ہے کہ اس کام کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دیں، جو جلد از جلد ضروری ترمیمات اور تجاویز مرتب کر کے پارلیمانی کمیٹی کے سامنے پیش کرے، اور اس مسئلہ میں فقہ اکیڈمی کی نمائندگی کرے۔

زکاۃ میں بنیادی حاجت ☆

وجوب زکوٰۃ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آدمی کے پاس جو مال ہے وہ اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہو، حوائج اصلیہ میں جو امور قابل اعتبار ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱- اپنے اور اپنے اہل وعیال نیز زیر کفالت رشتہ داروں سے متعلق روزمرہ کے اخراجات۔

۲- رہائشی مکان کپڑے، سواری، صنعتی آلات، مشینیں اور دیگر وسائل رزق جن کے ذریعہ کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے۔

۳- حوائج اصلیہ کا تعین ہر زمانہ، علاقہ اور افراد کے حالات اور ان کے معیار زندگی کی روشنی میں ہوگا۔

۴- حوائج اصلیہ کے مد میں ضروریات زندگی اور روزمرہ پیش آنے والے اخراجات داخل ہیں، اور اعتبار سال بھر کے اخراجات کا ہوگا، اور آئندہ سال کی ضرورت کے لئے جو سرمایہ محفوظ رکھا جائے گا زکوٰۃ نکالتے وقت حوائج اصلیہ میں شمار ہوکر اموال زکوٰۃ سے منہا نہیں کیا جائے گا۔

☆ پانچواں فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶/جمادی الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/اکتوبر-۲/نومبر ۱۹۹۲ء۔

دَین (قرض) کی زکوٰۃ ☆

۱- دَین کی دو قسمیں ہیں: وہ دَین جس کے وصول ہونے کی کوئی امید نہ ہو، جیسے ڈوبی ہوئی رقم، اور وہ دَین جس کے وصول ہونے کی پوری امید ہو۔ جس دَین کے وصول ہونے کی کسی وجہ سے امید ختم ہوگئی ہو اگر وہ دَین کبھی وصول ہوجائے تو وصولی کے دن سے ایک سال گذرنے کے بعد ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۲- مقروض اگر قرض دہندہ کے مطالبہ واصرار کے باوجود اس حد تک ٹال مٹول سے کام لے کہ دائن اس کی وصولیابی سے مایوس ہوجائے تو اس مال کی زکوٰۃ قرض دہندہ پر واجب نہ ہوگی، اگر ایسا قرضہ کبھی وصول ہوجائے تو اس پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۳- جس دَین کا وصول ہونا متوقع ہو اس کی تین صورتیں ہیں:

الف- وہ دَین قرض کی صورت میں ہو، یا سامان تجارت کی قیمت کسی کے ذمہ باقی ہو، ایسے دیون میں وصول ہونے کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوگی۔

ب- وہ دَین جو ایسے مال کے عوض ہو جو تجارت کے لئے نہیں تھا اور نہ قرض کے طور پر دیا گیا تھا، جیسے مال وراثت یا مال وصیت۔

ج- ایسا دَین جو کسی مال کا عوض نہ ہو جیسے مہر، ان دونوں صورتوں میں دَین وصول ہونے کے بعد سال گذر جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

☆ پانچواں فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶/ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/ اکتوبر - ۲/ نومبر ۱۹۹۲ء۔

۴- سرکاری یا غیر سرکاری اداروں سے لئے جانے والے طویل المیعاد قرضوں کی صورت میں ہر سال جو قرض کی قسط ادا کرنی ہے اموال زکوٰۃ میں سے منہا کی جائے گی، اور باقی اموال زکوٰۃ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، پورا قرض منہا نہیں کیا جائے گا۔

تجارت میں پیشگی دی ہوئی قیمت اور کرایہ دوکان ومکان میں دی گئی ڈپوزٹ کی رقم پر زکوۃ ☆

۱: الف -مال تجارت جس کی مشتری (خریدار) نے پیشگی قیمت ادا کردی ہے لیکن مبیع (خریدے ہوئے سامان) پر اس کا قبضہ نہیں ہوا ہے تو اس ادا کردہ قیمت کی زکوۃ خریدار پر واجب نہیں ہوگی، بلکہ بائع (فروخت کرنے والے) پر واجب ہوگی۔

ب-مبیع (فروخت شدہ مال) کی زکوۃ بیع سلم (یعنی وہ تجارت جس میں قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے اورخریدار کو مال ایک مدت کے بعد متعین تاریخ کو وصول ہوتا ہے، جیسے کسان کاشتکاری کے وقت نقد قیمت لے کر گندم یا چاول اس شرط پر فروخت کردیتے ہیں کہ وہ آئندہ فلاں متعین تاریخ کو فلاں قسم کا گندم یا چاول خریدار کے حوالہ کردے گا) اور بیع استصناع (یعنی وہ بیع جس میں خریدار کے آرڈر پر کوئی متعین چیز تیار کر کے صنعت کار حوالہ کرنے کا معاملہ طے کرتا ہے اور اس میں طے شدہ قیمت کل کی کل یا کچھ حصہ پہلے ادا کردیا جاتا ہے) کی صورت میں مشتری (خریدار) کو مبیع (فروخت شدہ مال) سونپے جانے سے قبل بائع پر واجب ہوگی، اور بیع سلم اور بیع استصناع کے علاوہ بیع کی وہ شکل جس میں مبیع کی تعیین ہوچکی ہے لیکن مشتری کا اس پر قبضہ نہیں ہوا ہے، تو اس کی زکوۃ بھی مشتری پر واجب نہیں ہوگی۔

۲- کرایہ دار کی طرف سے مالک مکان ودوکان وغیرہ کو پیشگی دی گئی ضمانت کی رقم

☆ پانچواں فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶/جمادی الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/اکتوبر-۲/نومبر ۱۹۹۲ء۔

(Security Deposit)پر زکوۃ کرایہ دار کے ذمہ واجب نہیں ہوگی۔

شرکاء سمینار میں سے کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس مال کی زکوۃ مالک مکان پر ہوگی، اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس مال کی زکوۃ کسی پر نہیں ہوگی۔

ہیرے وجواہرات پر زکوٰۃ ☆

الف - جو ہیرے جواہرات تجارت کی نیت سے خریدے گئے ہوں ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہوگی۔

ب - جو ہیرے جواہرات زیورات وغیرہ کے لئے خریدے گئے ہوں، ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہوگی۔

ج - ایک رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ لوگ بڑی بڑی رقوم ہیرے جواہرات کی خرید پر صرف کردیتے ہیں اور اپنی نقد رقوم کو ہیرے جواہرات میں بدل کر مختلف مصالح کے تحت محفوظ کرلیتے ہیں۔

مجمع الفقہ الاسلامی کے سمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ اس صورت میں لاکھوں لاکھ کی نقد رقم ہیرے جواہرات کی صورت میں ان کے پاس محفوظ ہوجاتی ہے جو کسی بھی وقت نقد کی صورت میں منتقل ہوسکتی ہے۔ بحث کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی کہ اس مسئلہ میں ایک جہت تو یہ ہے کہ ہیرے جواہرات، سونا چاندی نہیں ہیں جو خلقتاً نامی تسلیم کئے گئے ہیں، اور اس شخص کا کام ہیرے جواہرات کی تجارت بھی نہیں ہے اور نہ فوری طور پر خریدتے وقت باضابطہ تجارت کی نیت کی گئی ہے تاکہ بسبب مال تجارت ہونے کے اسے نامی قرار دیا جائے، اس جہت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو۔

دوسری جہت یہ ہے کہ ہیرے جواہرات ضروریات زندگی میں داخل نہیں اور اصحاب

☆ پانچواں فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶/جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/اکتوبر-۲/نومبر ۱۹۹۲ء۔

سرمایہ اپنے خاص مصالح کے لئے اپنے روپیوں کو جن کی مقدار غیر معمولی حد تک زائد ہوتی ہے، ہیروں اور جواہرات کی صورت میں محفوظ کر کے مختلف فوائد بھی حاصل کرتے ہیں، اور انہیں اس طرح اس کا اطمینان بھی رہتا ہے کہ ان ہیروں اور جواہرات کی صورت گویا ''زرِنقد'' ہر دم ان کے پاس محفوظ ہے، اور اس کے نتیجہ میں فقراء کو شدید نقصان ہوتا ہے کہ نقد رقوم میں زکوۃ واجب ہوتی ہے جو عام حالات میں ہیرے جواہرات کی صورت میں عام اصول کے پیش نظر واجب نہیں ہوتی۔

سمینار میں شریک علماء واصحاب افتاء میں سے ایک خاصی تعداد نے پہلی جہت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رائے دی کہ اس خاص صورت میں محفوظ ہیرے جواہرات کی مالیت پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

جبکہ دوسری بڑی تعداد علماء واصحاب افتاء کی تھی جنہوں نے دوسری جہت کو سامنے رکھتے ہوئے اس خاص صورت میں ذخیرہ کئے ہوئے ہیرے جواہرات کو حکماً مال تجارت تسلیم کیا اور اس پر زکوۃ واجب قرار دیا۔ ہر دو جہت کے مطابق رائے رکھنے والے ممتاز علماء کے اسمائے گرامی ذیل میں علاحدہ علاحدہ درج کئے جاتے ہیں:

وجوب زکوۃ کے قائلین حضرات کے نام:

۱-	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب	
۲-	مولانا طیب الرحمن صاحب امیر شریعت	آسام
۳-	مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب	بمبئی
۴-	مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب	
۵-	مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب	اعظم گڈھ
۶-	مولانا شمس پیرزادہ صاحب	بمبئی
۷-	مولانا انیس الرحمن قاسمی صاحب	پٹنہ
۸-	مولانا عبدالرحیم صاحب	بھوپال
۹-	مولانا مفتی عبدالرحمن صاحب	دہلی

۱۰- مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب — سیتامڑھی
۱۱- مولانا رفیق المنان صاحب — مبارک پور
۱۲- مولانا مفتی نذیر احمد صاحب — بارہ بنکی
۱۳- مولانا محمد شعیب صاحب — سرائے میر
۱۴- مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب

وغیرہم

عدم وجوب زکوۃ کے قائلین کے نام:

۱- مولانا مفتی برہان الدین صاحب — لکھنؤ
۲- مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی صاحب — دیوبند
۳- مولانا نعمت اللہ قاسمی صاحب — دیوبند
۴- مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب — باندہ
۵- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب — حیدرآباد
۶- مولانا نسیم احمد قاسمی صاحب — پٹنہ
۷- مولانا صدر الحسن ندوی صاحب — اورنگ آباد
۸- مولانا محی الدین صاحب — گجرات

وغیرہم

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ ☆

پراویڈنٹ فنڈ (تنخواہ سے لازمی طور پر وضع ہونے والی رقم) جب تک اس پر قبضہ نہ ہوجائے اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جب یہ رقم وصول ہوجائے اور بقدر نصاب ہو اور اس پر ایک سال گذر جائے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

بعض اوقات کچھ لوگ قانون انکم ٹیکس کی زد سے بچنے یا دیگر مصالح کی خاطر اختیاری طور پر اپنی تنخواہ سے کچھ زائد رقم وضع کراکر پی ایف (P.F.) جمع کراتے ہیں۔ یہ رقم اگر قدر نصاب کو پہنچ جائے تو سال بہ سال زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔ اس اختیاری وضع کرائی ہوئی رقم کی حیثیت ودیعت کی ہے اور مال ودیعت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

☆ پانچواں فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶/جمادی الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/اکتوبر-۲/نومبر ۱۹۹۲ء۔

مدرسہ کے سفرا، محصلین اور مہتمم کی حیثیت ☆

یہ ایک حقیقت ہے کہ اہل مدارس زکوۃ وصدقات کی جو رقمیں وصول کرتے ہیں فوری طور پر خرچ نہیں ہوتیں، اور بسا اوقات خاصے عرصہ تک باقی رہ جاتی ہیں جس کی وجہ سے ادائیگی وعدم ادائیگی زکوۃ کا مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ لہذا فقہ اکیڈمی میں اس سے متعلق سوالنامہ کے جوابات کی روشنی میں ذیل کی تجاویز منظور کی جاتی ہیں:

زکوۃ کی وصولی میں مہتمم یا اس کا نائب (سفیر ومحصل) طلبہ کا وکیل ہے۔ مہتمم یا اس کے نائب (سفیر ومحصل) کو دے دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ مہتمم مدرسہ کا فرض ہے کہ زکوۃ کی رقم حسب احکام شرع طلبہ پر صرف کرے۔

☆ پانچواں فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶ / جمادی الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰ / اکتوبر-۲ / نومبر ۱۹۹۲ء۔

اموال مدرسہ پر زکاۃ ☆

زکوۃ کی جو رقم مدارس یا بیت المال میں اکٹھا ہوتی ہیں ان کا کوئی مالک متعین نہیں، اسی طرح جو رقم از قسم عطایا وصدقات نافلہ اداروں کو مطلق وجوہ خیر میں صرف کرنے کے لئے یا متعین مدات پر صرف کرنے کے لئے دی جاتی ہیں وہ دینے والوں کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہو جاتی ہیں، اس لئے بیت المال، مدارس یا دیگر رفاہی اداروں میں جمع شدہ رقوم پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

☆ پانچواں فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶/ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/ اکتوبر-۲/ نومبر ۱۹۹۲ء۔

کمیشن پر زکوۃ کی وصولی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پانچویں سمینار منعقدہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں کمیشن پر زکوۃ کی وصولی کا موضوع زیر بحث آیا۔

مقالات اور شرکاء کے مباحثات کی روشنی میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ کمیشن پر زکوۃ کی وصولیابی کا مروجہ طریقہ جائز نہیں۔

☆ پانچواں فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶ / جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰ / اکتوبر - ۲ / نومبر ۱۹۹۲ء۔

مال حرام کی زکوٰۃ ☆

۱- مال حرام کسی کی ملکیت میں آئے اور وہ بعینہ موجود ہو، نیز مال کا اصل مالک معلوم ہوتو اس شخص کو وہ پورا مال لوٹا دینا واجب ہے۔

۲- اگر مال حرام متعین طور پر معلوم نہ ہو سکے یا اس کی تعداد معلوم نہ ہو سکے تو غالب گمان کے مطابق مال حرام کی مقدار متعین کی جائے گی۔ اگر مالک معلوم ہوتو اتنی مقدار میں رقم اس کے مالک کو واپس کردی جائے، اور اگر مالک معلوم نہ ہوتو اسی مقدار میں بلانیت ثواب صدقہ کردیا جائے۔

۳- اگر مال حرام کی واپسی اس پر واجب ہوئی اور اس نے واپس نہیں کیا اور مال حرام اس کے قبضہ میں باقی رہ گیا اور مال کا کوئی انسان مطالبہ کرنے والا نہیں ہے، ایسی صورت میں اس مال کی زکوٰۃ ادا کرنی بھی واجب ہوگی، اور زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود حقدار کو حق لوٹانے یا حق دار کے معلوم نہ ہونے کی صورت میں بلانیت ثواب صدقہ کرنے کا حکم باقی رہے گا۔

مال حرام میں اصل یہی ہے کہ اگر ایسے مال کا طلب کرنے والا مالک موجود ہوتو اس کو واپس کردیا جائے ورنہ صدقہ کردیا جائے، اور اگر حرام وحلال مال مخلوط ہوتو تحری ور جحان قلب کے مطابق مال حلال کی مقدار متعین کرکے اس کی زکوٰۃ دی جائے، مال حرام میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

☆ پانچواں فقہی سیمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶/جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/اکتوبر-۲/نومبر ۱۹۹۲ء۔

مگر استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ پورے کے پورے مال کی زکوۃ ادا کردی جائے تا کہ یقینی اور اطمینان بخش طریقہ پر زکوۃ ادا کرنے والا فریضہ زکوۃ سے بری الذمہ ہو جائے ، اور ظالمانہ اور حرام طریقوں سے لوگوں کے مال سے فائدہ اٹھانے والوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ نیز ایسا نہ ہو کہ مال حرام کھانے والا دوطرفہ فائدہ اٹھائے، اس طرح ایک طرف مال حرام سے انتفاع کرے اور زکوۃ سے بھی بچ جائے۔

اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری ☆

۱- بہت سے ممالک اور علاقوں میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی ناقابل بیان ہے، مسلمانوں کی دین سے ناواقفیت اور اقتصادی بدحالی کا استحصال کرتے ہوئے غیر مسلم مشنریاں اور قادیانی مبلغین سرگرم عمل ہیں، اور غریب اور ناواقف مسلمانوں کی امداد کر کے اور انہیں اپنے قریب لاکر ان کے ایمان وعقیدہ کو بدلنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ محتاج ونادار مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا فوری طور پر مداوا کیا جائے، انہیں فقر وفاقہ کے اس چنگل سے نکالا جائے جس نے ان کے دین وایمان کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ ایسے مسلمان اموال زکوۃ کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، ہر ملک اور علاقہ کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے نادار اور محتاج مسلمانوں کو خاص طور پر اموال زکوۃ سے مدد کردیں، اور اگر اموال زکوۃ اس کے لئے کفایت نہ کریں تو دوسری مدات خیر سے ان کا تعاون کریں۔

۲- فقراء ومساکین کو زکاۃ کا جو مال دے دیا، انہیں اس مال پر تمام مالکانہ حقوق حاصل ہوجاتے ہیں، اس لئے اگر کسی فقیر ومسکین یا چند فقراء نے زکاۃ لینے کے بعد اسے استثمار یا تجارت وغیرہ میں لگادیا تاکہ زکاۃ کی اس رقم سے آئندہ بھی فائدہ پہنچتا رہے تو ایسا کرنا جائز ہے، اس سے زکاۃ ادا ہوجائے گی۔

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کٹولی) بتاریخ ۱۸-۲۱/محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء۔

۳- زکاۃ دینے والے شخص یا زکاۃ دینے والوں کی جماعت کی طرف سے زکاۃ میں نکالی ہوئی رقوم کو کسی نفع بخش کاروبار میں لگا دینا تا کہ مستقبل میں اس کا نفع فقراء ومساکین اور دیگر مستحقین زکاۃ پر تقسیم کی جاتی رہے، جائز نہیں، اس طرح زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

۴-فقراء کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے کے لئے اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ فقیر جس پیشے اور صنعت سے وابستہ ہے، یا جس پیشے کو شروع کر سکتا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے کوئی مشین یا آلات صنعت وحرفت زکاۃ کی رقم سے خرید کر بطور ملکیت دے دیئے جائیں، یا فقیر کی تجارتی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی دوکان اسے مالکانہ طور پر زکاۃ کی رقم سے بنا کر دے دی جائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے، اس سے زکاۃ کی ادائیگی ہوجائے گی۔

۵- اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائیں اور انہیں مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکاۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۶- اداءِ زکاۃ کے وقت اس کو بہر حال ملحوظ رکھا جائے کہ مقامی محتاج ومستحقین محروم نہ رہ جائیں۔

فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ ☆

۱- شرکاءسمینار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت مصارف زکوۃ [سورۂ توبہ: ۶۰] نے جن آٹھ مصارف میں زکوۃ کو محدود کردیا ہے ان میں وہ قطعی ہے، اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا جاسکتا، اور آیت مصارف زکوۃ [سورہ توبہ: ۶۰] میں مذکور آٹھ مصارف میں زکوۃ کا حصر حقیقی ہے اضافی نہیں ہے۔

۲- اس آیت میں مذکور ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق عام شرکائے سمینار کے نزدیک غزوہ اور جہاد عسکری ہے، بعض شرکاءسمینار کا نظریہ یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' میں عسکری جہاد کے ساتھ وہ تمام کوششیں شامل ہیں جو آج کے دور میں واقعتاً دعوت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کی جارہی ہوں، ان حضرات کے نام یہ ہیں:

مولانا شمس پیرزادہ صاحب

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب

شیخ محمد محروس المدرس عراقی کی رائے یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں عموم ہے۔

۳- عام شرکاءسمینار کا خیال یہ ہے کہ دور حاضر میں دینی اور دعوتی کاموں کے لئے درکار سرمایہ کی فراہمی میں پیش آنے والی دشواری کے باوجود شرعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ زکوۃ

☆ پانچواں فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶/جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/اکتوبر-۲/نومبر ۱۹۹۲ء۔

کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کا دائرہ وسیع کر کے اس میں تمام دینی اور دعوتی کاموں کو شامل کرلیا جائے، کیونکہ قرون اولیٰ میں اس تعمیم وتوسیع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، نیز ایسا کرنے سے مسلمانوں کے محتاج، نادار اور افلاس زدہ طبقہ کی مالِ زکوٰۃ کے ذریعہ کفالت جو زکوٰۃ کا اہم ترین مقصد ہے، فوت ہوجائے گا۔ اس نقطۂ نظر سے ان حضرات کا اختلاف ہے جنہیں دفعہ ۲ سے اختلاف ہے۔

عشری وخراجی اراضی ☆

شریعت اسلامی نے جس طرح دوسرے اموال میں زکوۃ واجب قرار دی ہے، زرعی پیداوار سے بھی غرباء کا حق متعلق کیا ہے، جس کو عشر کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب وسنت کی ہدایات اور قرون خیر کے تعامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے زمین کی درج ذیل قسموں کو عشری قرار دیا ہے:

۱- وہ زمینیں جن کے مالکوں نے اسلامی فتوحات سے پہلے ہی اپنی خوشی سے اسلام قبول کرلیا ہو۔

۲- کسی علاقہ کو مسلمانوں نے فتح کیا اور مفتوحہ زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کردی ہوں۔

۳- جو زمینیں مسلم حکومتوں کی طرف سے مسلمانوں کو بطور جاگیر عطا کی گئی ہوں۔

۴- جزیرۃ العرب کی تمام زمینیں جن کی فقہاء نے حد بندی کردی ہے۔

۵- مسلمانوں کی رہائشی زمینیں جو قابل کاشت بنائی گئی ہیں، اور ان کے قرب وجوار کی زمینیں بھی عشری ہیں۔

۶- مسلمان ملک کی افتادہ زمینیں جن کو کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا ہو، اور ان کے قرب وجوار کی زمینیں بھی عشری ہوں۔

اور درج ذیل صورتوں کو خراجی قرار دیا گیا ہے:

☆ چھٹا فقہی سمینار (عمرآباد) بتاریخ ۱۷-۲۰/رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱/دسمبر ۱۹۹۳ء-۳ جنوری ۱۹۹۴ء۔

۱- مسلمانوں کی مفتوحہ زمینیں جو غیر مسلم باشندوں ہی کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہوں۔

۲- وہ زمینیں جہاں کے غیر مسلم باشندوں نے صلح کرلی ہو اور زمین انہیں کے پاس رہنے دی گئی ہو۔

۳- مسلمانوں کی زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت میں چلی جائیں اور پھر ان کو مسلمان حاصل کریں۔

۴- جو زمینیں مسلمان حکومت کی طرف سے جاگیر کے طور پر غیر مسلموں کی دی گئی ہوں۔

البتہ اصولی طور پر شریعت نے مسلمانوں کی زمین میں عشر اور غیر مسلموں کی زمین میں خراج واجب قرار دیا ہے، عشر میں بنیادی تصور عبادت کا ہے اور یہ زکوۃ ہی کی ایک قسم ہے اس لئے مسلمانوں کے حق میں اصل "عشر" ہے، اور چونکہ عشر کو ساقط کرنا ایک عبادت کو ساقط کرنا ہے، اس لئے جہاں عشر کے ساقط ہونے کی صراحت اور اس پر کوئی قوی نص موجود نہ ہو وہاں احتیاط کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے حق میں عشر ہی کے حکم کو باقی رکھا جائے۔ عشر کے سلسلے میں ان بنیادی اور متفقہ اصولوں اور ہندوستان کے موجودہ سیاسی نظام کو سامنے رکھ کر ہندوستان کی اراضی کی شرعی حیثیت کے متعلق سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ:

۱- ہندوستان میں مسلمانوں کی زرعی زمینوں کے متعلق یہ خیال کہ نہ ان میں عشر واجب ہے نہ خراج، درست نہیں ہے۔

۲- ہندوستان کی زمینیں مندرجہ ذیل صورتوں میں بالاتفاق عشری ہیں:

الف- مسلمان حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کردہ زمینیں جو اب تک مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہیں۔

ب-۔جس علاقہ کے لوگ مسلم حکومت کے قیام سے پہلے بہ خوشی مسلمان ہو گئے ہوں اور ان کی زمینیں ابھی تک مسلمانوں ہی کے پاس چلی آ رہی ہیں۔

ج-جو زمینیں عرصۂ دراز سے مسلمانوں کے پاس ہیں اور تاریخی طور پر ان کا خراجی ہونا ثابت نہیں ہے۔

جو مزروعہ یا افتادہ زمینیں حکومت ہند سے مسلمانوں کو حاصل ہوں۔ اس صورت کو بعض حضرات خراجی قرار دیتے ہیں۔

۳- جو زمینیں غیر مسلم حکومت یا افراد سے کسی مسلمان کو حاصل ہوئی ہوں، ان کے بارے میں شرکاء سمینار کی رائیں مختلف ہیں: بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان کی تمام زمینیں عشری ہیں، اور بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں خراج واجب ہے۔

تاہم اس پر اتفاق ہے کہ احتیاط تمام ہی زمینوں میں عشر ادا کرنے میں ہے۔

ادائیگی خراج کا طریقہ
اور خراج سے سرکاری محصول کی منہائی ☆

۱- بعض شرکاء کی رائے میں خراج واجب نہیں ہوتا۔

لیکن جو شرکاء سمینار ہندوستان کی خراجی زمینوں میں خراج لازم قرار دیتے ہیں اور خراج کو حق شرعی قرار دے کر واجب الاداء کہتے ہیں، ان کا رجحان یہ ہے کہ زمین کا سرکاری لگان ادا کرنے سے خراج شرعی ادا نہیں ہوگا، بلکہ مسلمان مالک زمین پر لازم ہے کہ خراج خود نکال کر مصارف خراج میں صرف کرے۔

اور بعض شرکاء سمینار کی رائے ہے کہ خراج شرعی سے سرکاری لگان منہا کرنے کے بعد خراج کی باقی مقدار مصارف خراج میں صرف کرنا ضروری ہے۔

۲- ہندوستان کی خراجی زمینوں پر خراج مقاسمہ لازم ہے یا خراج موظف؟

اس سلسلے میں بعض شرکاء سمینار نے ادائیگی اور حساب کی سہولت کے پیش نظر تمام خراجی زمینوں میں خراج مقاسمہ لازم قرار دیا ہے۔

لیکن وجوب خراج کا رجحان رکھنے والے اکثر حضرات کے نزدیک جن زمینوں کے بارے میں تاریخی طور پر ثابت ہے کہ فتح اسلامی کے بعد ان پر خراج مقاسمہ لازم قرار دیا گیا تھا (مثلاً گجرات وراجپوتانہ) ان میں خراج مقاسمہ لازم ہوگا، اور اس کی مقدار وہی ہوگی جو اسلامی

☆ چھٹا فقہی سمینار (عمر آباد) بتاریخ ۱۷-۲۰/رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱/دسمبر ۱۹۹۳ء-۳ جنوری ۱۹۹۴ء۔

فتوحات کے وقت متعین کی گئی، اور باقی تمام خراجی زمینوں میں خراج موظف کی ادائیگی لازم ہوگی۔

۳- وجوب خراج کا رجحان رکھنے والے اکثر شرکاء سمینار نے توظیف عمری کو بنیاد بنا کر غلہ اور کپاس جیسی عام پیداوار کی خراجی زمینوں میں فی جریب ایک درہم نقد (یعنی ساڑھے تین ماشہ چاندی یا اس کی قیمت) اور پیداوار میں سے ایک صاع (یعنی تین کلو تین سو پچیس گرام) لازم قرار دیا ہے، اور سبزیوں کی زمین میں فی جریب پانچ درہم یا اس کی قیمت، اور انگور یا کھجور کے متصل درختوں والے باغ پر فی جریب دس درہم چاندی یا اس کی قیمت لازم قرار دی ہے۔

زمینی پیداوار، درخت وسبزیوں پرعشر ☆

۱- زکوٰۃ کی طرح عشر بھی ایک فریضہ ہے جس کا تعلق زمینی پیداوار سے ہے، قرآن کریم میں اہل ایمان کو پاکیزہ کمائی سے زکوٰۃ اور زمینی پیداوار سے عشر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔

(یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا أَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْأَرْضِ) [البقرہ: ۲۶۷]۔

عشر زمین کی ہر پیداوار پر واجب ہے یا کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کے عمومی دلائل، شرکاء سمینار کے مقالات وآراء پر غور وخوض کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ:

۱- بشمول گھاس ودرخت وغیرہ ہر ایسی زمینی پیداوار پر عشر واجب ہے جس کی پیداوار سے مقصود نماء ہوتی ہے اور جسے آمدنی کی غرض سے پیدا کیا جاتا ہے، لہٰذا تمام غذائی اجناس، میوہ جات، پھلوں اور پھولوں پر عشر واجب ہے۔ البتہ خودرو درخت اور گھاس جن سے حصول آمدنی مقصود نہ ہو اس پر عشر واجب نہیں۔

۲- وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ جلانے یا فرنیچر اور عمارت وغیرہ میں

☆ چھٹا فقہی سمینار (عمرآباد) بتاریخ ۱۷- ۲۰ رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱/دسمبر ۱۹۹۳ء-۳ جنوری ۱۹۹۴ء۔

استعمال ہوتے ہیں جیسے صنوبر، ساکھو، شیشم، ساگوان وغیرہ، اگر کسی عشری زمین کو ایسے درختوں کے لئے خاص کرلیا گیا ہو اور ان کی کاشت سے آمدنی مقصود ہے، تو ایسے درختوں کے تیار ہونے میں چاہے جتنی مدت درکار ہو، کاٹے جانے کے وقت ان سے یا ان کی آمدنی سے عشر کی ادائیگی واجب ہوگی۔

۳- وہ سبزیاں جو عشری زمین میں بوئی جائیں اور جن سے مقصود آمدنی ہو، ان میں عشر واجب ہے۔ البتہ اپنے مکان کے گردوپیش کی افتادہ اراضی یا اپنی چھتوں پر لگائی جانے والی سبزیاں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں۔

مزارعت (بٹائی) والی کاشت پر عشر ☆

جن عشری زمینوں کی کاشت بطور بٹائی کے کرائی جاتی ہے، ان کی پیداوار پر عشر کے واجب ہونے کے سلسلے میں سمینار نے غور وفکر کیا اور اس سے متعلق آئے ہوئے تمام مقالات کا جائزہ لے کر اس نتیجے پر پہنچا کہ:

۱ – اگر زمین کا مالک اور بٹائی دار دونوں مسلمان ہوں تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے بقدر عشر واجب ہوگا۔

۲ – اگر مالک زمین مسلمان اور بٹائی دار غیر مسلم ہو تو مسلمان مالک پر اس کے حصہ کے بقدر میں واجب ہوگا۔

☆ چھٹا فقہی سمینار (عمرآباد) بتاریخ ۱۷ – ۲۰ / رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱ / دسمبر ۱۹۹۳ء – ۳ جنوری ۱۹۹۴ء۔

عشر سے اخراجات زراعت کی منہائی ☆

۱- فقہی سمینار کے سامنے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ آج کل کاشت کے جدید طریقوں میں زراعت کے اخراجات قدیم طرز کی کھیتی کے مقابلے میں کہیں زائد ہوتے ہیں، لہذا ان بڑھے ہوئے اخراجات کو واجب عشر کی ادائیگی سے پہلے اصلی پیداوار سے منہا کیا جائے تا کہ کاشت کاروں کو سہولت حاصل ہو۔

سمینار نے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہنچا کہ عشر اور نصف عشر شریعت کی طرف سے منصوص مقادیر ہیں، اور شریعت نے کاشت کو سیراب کرنے کی بنیاد پر اخراجات کی کمی وزیادتی کو اساس تسلیم کرتے ہوئے مقدار واجب میں فرق کیا ہے، اور دیگر کسی قسم کے اخراجات کی رعایت کرتے ہوئے مقدار واجب میں تبدیلی کا اعتبار نہیں کیا ہے، اور جو مقدار واجب شریعت نے طے کردی ہے اس میں عقل وقیاس کا دخل نہیں، اور نہ کسی کو مقدار واجب میں تبدیلی کا حق ہے۔ دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں پر جہاں اخراجات زائد ہوتے ہیں، پیداوار کی مقدار میں بھی معتد بہ اضافہ ہوتا ہے۔

لہذا سمینار یہ طے کرتا ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں کھاد یا دوا وغیرہ مصارف پر ہونے والے زائد اخراجات اصلی پیداوار سے منہا نہیں کئے جائیں گے۔

☆ چھٹا فقہی سمینار (اعظم گڑھ/عمرآباد) بتاریخ ۱۷-۲۰ رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء - ۳ جنوری ۱۹۹۴ء۔

۲- حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بعض دیگر فقہاء کی رائے میں آیات اور بعض احادیث کے عموم کے پیش نظر وجوب عشر کے لئے پیداوار کی مقدار کا کوئی نصاب نہیں ہے۔ ہر وہ شئ جو زمین سے پیدا ہو، چاہے وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں، عشر کا نکالنا واجب ہوگا۔ امام ابو یوسف وامام محمد رحمہما اللہ و دیگر جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث "ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة" کی روشنی میں پانچ وسق سے کم اگر پیداوار ہو تو ایسے لوگوں پر عشر واجب نہیں ہے۔ سمینار کی رائے میں چھوٹے کاشت کار، یا قدرتی آفات کی وجہ سے بہت کم مقدار میں پیداوار حاصل ہونے کی صورت میں مطلقاً وجوب عشر کے قول کے نتیجے میں دشواریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسے حالات میں جبکہ کسی کاشت کار کی کل پیداوار پانچ وسق یعنی چھ کوئنٹل ۵۳ کلوگرام سے کم ہو تو صاحبین و دیگر جمہور ائمہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اگر کوئی ضرورت مند شخص اس پر عشر نہ نکالے بلکہ پوری پیداوار کو اپنے ذاتی استعمال میں لائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ بعض شرکاء کا رجحان ہے کہ اگر نصاب سے کم پیداوار ہو اور دوسرے ذرائع کفالت موجود نہ ہوں تو خود استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

مکھانہ، مچھلی وریشم پر عشر ☆

۱- پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ زمینی پیداوار میں سے ہیں، اوران سے استغلال ارض ہوتا ہے، اس لئے ان پر عشر واجب ہوگا۔

۲- تالابوں میں بغرض تجارت مچھلیوں کی پرورش کی جاتی ہے۔ یہ زمینی پیداوار میں سے نہیں بلکہ اموال تجارت میں سے ہیں، اس لئے ان پر عشر کے احکام جاری نہ ہوں گے، بلکہ مال تجارت کی زکوٰۃ کا حکم ہوگا۔

۳- اگر عشری زمین میں شہتوت کی کاشت ریشم پیدا کرنے کے لئے کی جاتی ہے، اور شہتوت کے پتوں کو ریشم کے کیڑوں کی غذا حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، تو یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ جن اراضی کو شہتوت کے پتوں کے ذریعے ذریعہ آمدنی بنایا جاتا ہے ایسی اراضی پر شہتوت کے پتوں پر عشر واجب ہوگا۔ بعض شرکاء سمینار کی رائے میں پتوں پر عشر واجب نہیں، اس سے حاصل شدہ ریشم پر زکوٰۃ اموال اپنی شرائط کے ساتھ واجب ہوگی۔

☆ چھٹا فقہی سمینار (عمرآباد) بتاریخ ۱۷-۲۰/رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱/دسمبر ۱۹۹۳ء-۳ جنوری ۱۹۹۴ء۔

مکان، چھت، گردوپیش کی افتادہ اراضی اور اراضی اوقاف پر عشر ☆

مکان کے اندر کی اراضی یا اس کی چھتوں یا مکان کے گردوپیش کی افتادہ اراضی میں ہونے والی سبزیاں، پھلوں وغیرہ، اسی طرح اوقاف کی اراضی خصوصاً وقف علی الاولاد کی اراضی میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ ان مسائل پر غوروخوض کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہنچا:

۱- چونکہ وجوب عشر کے لئے زمین کا عشری ہونا شرط ہے، اور مکان کی زمین نہ عشری ہے اور نہ ہی خراجی، اس لئے مکان کے اندر کی اراضی یا اس کی چھتوں یا مکان کے گردوپیش کی افتادہ اراضی کی سبزیوں اور پھلوں وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

۲- چونکہ وجوب عشر کے لئے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر مملوکہ اراضی میں بھی عشر واجب ہے۔ نیز عشر پیداوار میں واجب ہے نہ کہ زمین میں، اس لئے اراضی اوقاف میں بھی عشر واجب ہوگا، خواہ اوقاف عامہ کی اراضی ہوں یا وقف علی الاولاد کی۔

☆ چھٹا فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۱۷-۲۰ رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء-۳ جنوری ۱۹۹۴ء۔

وقف ☆

وقف کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اور وقف کے ذریعہ بڑے بڑے تہذیبی وتمدنی، فلاحی اور رفاہی کارنامے انجام دیئے گئے ہیں، اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمینار نے درج ذیل امور طے کئے ہیں:

۱– ہندوستان میں مسلم اوقاف کو سرکاری وغیر سرکاری ناجائز قبضوں سے واگذار کرنے، اور وقف کی جائیداد کو جدید امکانات اور شرعی ضابطوں کی رعایت کرتے ہوئے بڑھانے، نفع آور بنانے اور ان کی سرمایہ کاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲– بیواؤں، مطلقہ عورتوں، یتیموں، بیماروں اور دیگر ضرورت مند لوگوں کی حاجت روائی کے لئے نئے اوقاف کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۳–ضرورت مند طلبہ کی اعانت اور ان کے لئے اسکالرشپ وغیرہ کی فراہمی کے لئے ''فنڈ برائے تعلیمی امور'' قائم کیا جائے۔

۴– دینی مراکز اور اسلامی مدارس کی تقویت کے لئے ''فنڈ برائے دینی مراکز'' کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۵– ان تمام شعبوں کے لئے اہل خیر حضرات کو چاہئے کہ دل کھول کر حصہ لیں جو انشاء اللہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

☆ چودہواں فقہی سمینار (حیدرآباد) بتاریخ ۱-۳/جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰-۲۲/جون ۱۹۸۹ء۔

رمی جمار کا مسئلہ ☆

۱- حج اسلام کی ایک اہم ترین عبادت ہے، جو زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے، اس لئے حجاج کرام کو چاہئے کہ حج میں افضل اور مسنون طریقہ پر عمل کریں اور زیادہ سے زیادہ احتیاطی پہلو کو ملحوظ رکھیں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ تینوں دنوں (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ) کو رمی کے اوقات میں کافی وسعت ہے اور ہر دن اگلے دن کے طلوع صبح صادق تک رمی کرنے کی گنجائش ہے۔ اس لئے اگر رمی کے لئے اپنے حالات کے لحاظ سے مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے تو دشواری نہ ہو اور حادثات پیش نہ آئیں، کیونکہ زیادہ تر حادثات عجلت پسندی اور مسائل سے ناواقفیت کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔

۲- ۱۰؍ذوالحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے پہلے اور صبح صادق کے بعد کرنا عام لوگوں کے لئے مکروہ ہے، البتہ معذورین، بیمار، خواتین اور ضعیف حضرات کے لئے اس وقت بھی رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

۳- ۱۰؍ذوالحجہ کی نصف شب سے رمی کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اس وقت رمی کا وقت ہی شروع نہیں ہوتا۔

۴- ۱۱، ۱۲؍ذوالحجہ کو رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور اگلی تاریخ کی صبح صادق سے پہلے پہلے تک رہتا ہے، ان ہی اوقات میں رمی کرنا چاہئے اور حج فرض ادا کرنے والوں کو خاص کر اس کا اہتمام کرنا چاہئے، البتہ شدید مجبوری اور دشواری کی بنا پر اگر کسی

☆ سولہواں فقہی سمینار (اعظم گڈھ) بتاریخ ۱۰-۱۳؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰؍مارچ-۲؍اپریل ۲۰۰۷ء۔

شخص نے زوال سے پہلے رمی کرلیا تو امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس پر دم واجب نہیں ہوگا۔

۵- ۱۱، ۱۲/ذوالحجہ کو غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا ازدحام کی موجودہ کیفیت کو دیکھتے ہوئے مکروہ نہیں ہے۔

۶- ۱۲/ذوالحجہ کو غروب آفتاب کے بعد رکے رہنے سے ۱۳/ذوالحجہ کی رمی واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر منٰی میں ۱۳/ذوالحجہ کی صبح صادق طلوع ہوجائے تو پھر ۱۳ کی رمی بھی واجب ہوجائے گی۔

قیام منٰی کا حکم

۱- ایام منٰی میں حجاج کے لئے منٰی میں ہی رات گذارنا مسنون ہے، اس لئے حجاج کرام کو چاہئے کہ یہ راتیں منٰی میں گذاریں اور بلاضرورت محض راحت وآرام کے لئے منٰی سے باہر قیام کرکے ایک اہم سنت کے تارک نہ بنیں۔

۲- البتہ اگر جگہ کی تنگی اور حکومت کے نظام کی وجہ سے منٰی کے باہر قیام کرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں ہے۔

سماجی مسائل

نکاح میں لڑکی، لڑکے اور اولیاء کے اختیارات ☆

۱: الف- شریعت اسلامیہ میں ولایت نکاح کا مفہوم یہ ہے: کسی کو دوسرے کے عقد نکاح کا اختیار حاصل ہونا۔

ب- اس کی دو صورتیں ہیں: ۱- ولایت اجبار، ۲- ولایت استحباب۔

ولایت اجبار: ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہ ہو۔

ولایت استحباب: ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف ہو۔

ج- شرعاً ولی کے لئے حسب ذیل صفات ضروری ہیں:

دماغی توازن کا درست ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، وراثت کا استحقاق ہونا، مسلمان ہونا۔

اولیاء کی ترتیب عصبات میں وراثت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

۲- ہر عاقل و بالغ کو خواہ مرد ہو یا عورت، خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، اور جو بالغ نہیں یا جس کا دماغی توازن صحیح نہ ہو تو ان کے نکاح کا اختیار اولیاء کو حاصل ہے، اور اس سلسلہ میں لڑکی و لڑکے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کو ولی کی مرضی کے بغیر خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اولیاء اور لڑکی کی رضامندی سے نکاح ہو۔

۴- عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح میں کفاءت یا مہر کے مطلوبہ معیار کا لحاظ نہ کرے تو

☆ گیارہواں فقہی سمینار (پٹنہ) بتاریخ ۲۹/ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ-۲/محرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۷-۱۹/اپریل ۱۹۹۹ء۔

اولیاء کو قاضی کے ذریعہ تفریق کا حق حاصل ہوگا۔

۵: الف - جس لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے نابالغی میں کردیا ہو وہ نکاح لازم ہے، الا یہ کہ وہ لڑکی اس وجہ سے اس نکاح کو پسند نہ کرے کہ باپ دادا نے اس کا نکاح کسی لالچ میں آ کر یا لاپرواہی سے کام لے کر یا بدتدبیری کے ساتھ کردیا ہے، یا ولی اعلانیہ فاسق ہے تو اس کو قاضی کے ذریعہ حق تفریق حاصل ہے۔

ب -باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء کا کرایا ہوا نکاح درست ہے، البتہ اگر لڑکی اس نکاح پر مطمئن نہ ہو تو بوقت بلوغ اس کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

ج - کنواری لڑکی کے لئے اس حق (خیار بلوغ) کا استعمال بوقت بلوغ ضروری ہے، بشرطیکہ بلوغ سے پہلے اس کو نکاح کا علم ہو چکا ہو اور حکم شرعی کا بھی علم ہو، بصورت دیگر اس کو یہ اختیار نکاح کا علم ہونے تک یا مسئلہ کا علم ہونے تک باقی رہے گا۔

د-شوہر دیدہ یعنی ثیبہ لڑکی کو یہ حق (خیار بلوغ) اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ اس کی طرف سے رضامندی کا اظہار نہ ہو، خواہ یہ اظہار صراحۃً ہو یا قرائن کے ذریعہ، اسی طرح یہ حق واختیار اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کو مسئلہ کا یا نکاح کا علم نہ ہو۔

۶ - (الف) ایک سے زائد یکساں درجہ کے اولیاء موجود ہوں تو جو ولی پہلے نکاح کردے اس کا نکاح صحیح ہے۔

ب- اور قریب تر ولی کی موجودگی میں نسبتاً دور کا ولی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح کردے تو قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، البتہ اگر قریب تر ولی کی رائے سے بروقت واقف ہونا ممکن نہ ہو اور تاخیر میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دور کے ولی کا کرایا ہوا نکاح درست ہے۔

فون، ویڈیو کانفرنسنگ
اور انٹرنیٹ کے ذریعہ نکاح ☆

نکاح کا معاملہ بہ مقابلہ عقد بیع کے زیادہ نازک ہے، اس میں عبادت کا بھی پہلو ہے، اور گواہان کی شرط بھی ہے، اس لئے انٹرنیٹ، ویڈیو کانفرنسنگ اور فون پر راست نکاح کا ایجاب وقبول معتبر نہیں، البتہ اگر ان ذرائع ابلاغ پر نکاح کا وکیل بنایا جائے اور وہ گواہان کے سامنے اپنے مؤکل کی طرف سے ایجاب وقبول کر لے تو نکاح درست ہو جائے گا، اس صورت میں یہ بات ضروری ہوگی کہ گواہان وکیل بنانے والے غائب شخص سے واقف ہوں یا ایجاب وقبول کے وقت اس کا نام مع ولدیت ذکر کیا جائے۔

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کنولی) بتاریخ ۱۸-۲۱/محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء۔

جبری نکاح ☆

۱-لڑکا یا لڑکی جب بالغ ہو جائے تو شریعت نے انہیں اپنی ذات کے بارے میں تصرف اور نکاح کے سلسلے میں رشتہ کے انتخاب کا حق دیا ہے۔ یہ حریت شخصیہ شریعت اسلامیہ کے امتیازات میں سے ہے، بلکہ آج مغرب و مشرق کی بہت سی قوموں نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں وہ انہی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔

۲- اولیاء کی جانب سے بالغ لڑکی یا لڑکے کو ان کی خواہش اور رضا کا خیال کئے بغیر کسی رشتہ پر مجبور کرنا قطعاً جائز نہیں، لہذا اولیاء کا اپنی رائے پر اصرار اور اس پر مجبور کرنے کے لئے طرح طرح کی دھمکیاں دینا، اسلام کے دیئے ہوئے حقوق سے محروم کرنے کی ناروا کوشش ہے، جو کسی طرح درست نہیں ہے۔

۳- لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی چاہئے کہ اپنے اولیاء کے انتخاب کردہ رشتے کو ترجیح دیں، کیونکہ اولیاء کی شفقت و محبت اور ان کے تجربہ کی وجہ سے عموماً یہی امید ہے کہ اولیاء نے ان کے لئے رشتے کا انتخاب کرتے وقت ان کے مفادات کا پورا پورا لحاظ کیا ہوگا۔

۴- نکاح کے منعقد ہونے یا نہ ہونے کا تعلق نکاح کے وقت رضامندی کے اظہار سے ہے، لہذا اگر بالغ لڑکے یا لڑکی نے نکاح کے وقت رضامندی کا اظہار کر دیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کنولی) بتاریخ ۱۸-۲۱/محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء۔

۵ – اگر قاضی شرعی اور قضاء کے کام کرنے والے اداروں وذمہ داروں کے سامنے یہ بات بتحقیق ثابت ہوجائے کہ اولیاء نے بالغہ لڑکی کے نکاح کے سلسلے میں جبر وزبردستی سے کام لیا ہے، اور اس کو مجبور کر کے بوقت نکاح ہاں کرالیا ہے، اورلڑکی رشتہ ہوجانے کے بعد اس رشتہ کو باقی وبرقرار رکھنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے اور فسخ کا مطالبہ کرتی ہے اور شوہر نہ بطور خود اسے جدا کرتا ہے اور نہ خلع وطلاق پر آمادہ ہے تو قاضی شرعی کو دفع ظلم کی غرض سے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

نکاح میں کفاءت ☆

۱- اسلام تمام بنی نوع انسان کو ایک اور برابر تسلیم کرتا ہے اور آدمی آدمی کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھتا اور بحیثیت انسان ہر ایک کو برابر عزت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [حجرات/ ۱۳]۔

اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے انسانوں کی طبقاتی تقسیم اور رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانوں کو اعلیٰ اور گھٹیا سمجھنا گوارہ نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ [الاسراء/ ۷۰]۔

۲- اسلام نے بہت صاف لفظوں میں اخوت اسلامی کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [حجرات/ ۱۰]۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "المؤمن للمؤمن کالبنیان یشدّ بعضه بعضا"، اور فرمایا: "مثل المؤمنین في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم کمثل الجسد الواحد إذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی"۔

اس لئے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، کسی کا دوسرے کو ذات برادری کی بنیاد پر حقیر سمجھنا اور نسب و نسل اور زبان پر فخر کرنا اسلامی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہے۔

☆ گیارہواں فقہی سمینار (پٹنہ) بتاریخ ۲۹/ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ - ۲/ محرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۷-۱۹/ اپریل ۱۹۹۹ء۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "لا یحلّ لمسلم أن یحقر أخاہ المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ"۔

۳- نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد وعورت زندگی بھر کی رفاقت کا عہد وپیمان کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے راز دار، پردہ پوش اور وجہ سکون بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [بقرہ، ۱۸۷]۔ اور ارشاد ہے: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ [الروم، ۲۱]۔

اسلام نکاح کو استوار اور پائیدار دیکھنا چاہتا ہے اور ایسی ہدایات دیتا ہے جن پر عمل کرنے سے نکاح اپنے مقاصد کو پورا کرے اور میاں بیوی تا حیات خوشگوار زندگی گذار سکیں۔

۴- کفاءت کی حقیقت مماثلت اور یگانگت ہے، میاں بیوی کے درمیان فکر وخیال، معاشرت، طرز رہائش، دینداری وغیرہ میں یکسانیت یا قربت ہونے کی صورت میں اس کی زیادہ امید ہوتی ہے کہ دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار گذرے، اور رشتہ نکاح مستحکم ہو، بے جوڑ نکاح عموماً ناکام رہتے ہیں، اور اس ناکامی کے بُرے اثرات ان دونوں شخصوں سے متجاوز ہوکر دونوں کے گھروں اور خاندانوں تک پہنچتے ہیں، اس لئے احکام نکاح میں شریعت نے کفاءت کی رعایت کی ہے۔

۵- مسلمان عاقل بالغ لڑکے اور لڑکی کا باہمی رضامندی سے کیا گیا عقد نکاح شرعاً منعقد ہوجاتا ہے، کفاءت لزوم عقد میں مؤثر ہے، صحت وانعقاد نکاح میں نہیں۔

۶- کوئی بھی غیر مسلم اسلام قبول کر لینے کے بعد مسلم سوسائٹی کا معزز فرد بن جاتا ہے، اسے پشتینی مسلمانوں کے برابر حقوق واحترام حاصل ہوجاتا ہے۔ مسلمان لڑکیوں کا نکاح اگر

نومسلم نوجوانوں سے کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ جائز ہوگا بلکہ موجب اجر وثواب ہے۔

۷ – مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے، عورت مرد کی کفو ہو یا نہ ہو، واضح رہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف عورت کی طرف سے ہے، یعنی ضروری ہے کہ شوہر عورت کے معیار کا ہو یا اس سے بڑھ کر۔ عاقل بالغ مرد نے کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں، شرعاً منعقد اور لازم ہے، اس پر مرد کے اہل خانہ کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

۸ – اگر عاقلہ بالغہ خاتون نے غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگا، لیکن اولیاء کو قاضی کے یہاں مرافعہ کا حق ہوگا۔

۹ – کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالت کے بارے میں خلاف واقعہ باتیں بیان کر کے نکاح کرلیا لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی ظاہر ہوئی تو وہ نکاح منعقد ہوگا، لیکن لڑکی یا اس کے اولیاء کو مرافعہ کا حق ہوگا۔

۱۰ – مسئلہ کفاءت میں دینداری کا اعتبار تو ضروری ہے، دیگر امور ایسے ہیں جن کا تعلق عرف وعادت اور سماجی حالات سے ہے، اس لئے پوری دنیا اور تمام ممالک واقوام کے لئے امور کفاءت کی تعیین وتحدید یکساں نہیں ہوسکتی، لہٰذا ہر ملک وعلاقہ کے علماء وفقہاء وہاں کے عرف وعادات اور سماجی احوال کے پیش نظر امور کفاءت کی تحدید وتعیین کریں گے، بلا اس کے کہ کفاءت کو آپس میں عزت وذلت وشرافت اور ذلالت کے ساتھ جوڑا جائے۔

عقد نکاح میں شرائط کی فقہی حیثیت ☆

۱- نکاح میں اگر ایسی شرطیں لگائی جائیں جو نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق ہی کو مؤکد کرتی ہوں تو وہ معتبر ہیں اور شوہر پر ان کو پورا کرنا واجب ہے۔

۲- نکاح کے وقت ایسی شرائط عائد کرنا جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہوں یا شریعت نے ان سے منع کیا ہو، غیر معتبر ہیں، جیسے شوہر کا نفقہ نہ دینے کی شرط لگانا یا جہیز وتلک کی شرط لگانا۔

۳- نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگائی جائے کہ شریعت نے ان کو نہ لازم وواجب قرار دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے، تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے۔

☆ آٹھواں فقہی سمینار (علی گڑھ) بتاریخ ۲۷-۲۹/ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۲-۲۴/ اکتوبر ۱۹۹۵ء۔

مہر کا شرعی حکم ☆

اس اجلاس کا احساس ہے کہ مہر کی سونے اور چاندی کے ذریعہ تعیین عمل میں آئے تا کہ پوری طرح عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور سکوں کی قوت خرید میں کمی کی وجہ سے ان کو نقصان نہ پہنچے۔

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱/ جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/ دسمبر ۱۹۸۹ء۔

مطالبہ جہیز شریعت کی نظر میں ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس اس صورت حال پر اپنی سخت تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ آج ہماری عائلی زندگی میں لڑکوں کی خرید وفروخت کا مزاج ہوگیا ہے اور انہیں مال تجارت بنالیا گیا ہے، کبھی لڑکوں کی طرف سے، کبھی ان کے والدین اور اقرباء کی طرف سے، اور کبھی خود لڑکی والوں کی طرف سے نہ صرف یہ کہ قیمت لگائی جاتی ہے بلکہ بھاؤ تاؤ کیا جاتا ہے، اور کون زیادہ سے زیادہ دے گا اس کی تلاش کی جاتی ہے، شرعاً نکاح میں لڑکی والوں سے کچھ لینا، وہ چاہے تلک کے نام پر ہو یا گھوڑے وجوڑے کے نام پر ہو، یا مروج قیمتی جہیز کے نام پر ہو جائز نہیں، شریعت نے "أحل لكم ماوراء ذلكم أن تبتغوا بأموالكم" (قرآن کریم) کے حکم ربانی کے ذریعہ مردوں پر نکاح میں مال خرچ کرنے کی ذمہ داری عائد کی ہے۔ آج ہم نے اس حقیقت کو بدل ڈالا ہے اور عورتوں کو نکاح کے لئے مال خرچ کرنا پڑتا ہے، کبھی صریح مطالبہ ہوتا ہے اور کبھی عادت اور عرف ورواج کے تحت یہ ہوتا ہے، یہ ساری صورت حال چاہے اس طرح کا مال لینا ہو یا پیشکش کرنا ہو، شرعاً جائز ودرست نہیں ہے۔

اکیڈمی کا یہ اجلاس تمام مسلمانان ہند کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ مسلم معاشرے کو ان خطوط پر متوجہ کریں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے تجویز کیا ہے، اور شادیوں کو ہر طرح سادہ رکھیں اور ارشاد نبوی "أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة" کے مطابق بغیر جبر ودباؤ اور فرمائش ومطالبہ نیز اسراف وتبذیر کے، بطریق سنت نبویہ انجام دیں۔

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کنولی) بتاریخ ۱۸-۲۱/محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء۔

حالت نشہ کی طلاق ☆

۱ – اگر کسی شخص نے لاعلمی میں نشہ آور حرام چیز کا استعمال کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا، اسی حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲ – کسی شخص نے اگر کسی نشہ آور حرام چیز کا استعمال ایسی صورت میں بطور دوا کے کیا جب ماہر مسلم اطباء کی رائے میں اس کے مرض کا علاج اسی نشہ آور چیز سے ہی ہوسکتا ہے، یا بھوک اور پیاس کی غیر معمولی شدت میں (کوئی حلال چیز فراہم نہ ہونے کی وجہ سے) جان بچانے کے لئے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا۔ حالت نشہ میں اس شخص نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

۳ – کسی شخص کو شراب یا کسی دوسری نشہ آور چیز کے استعمال پر مجبور کیا گیا۔ جبر واکراہ کی وہ صورت اختیار کی گئی جس میں اس کے لئے اس حرام چیز کا استعمال کرنا جائز ہوگیا، اس لئے اس نے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور نشہ طاری ہونے پر بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

۴ – جائز وحلال چیز کے استعمال سے اگر کسی شخص کو نشہ طاری ہوگیا اور حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق شرعاً معتبر نہ ہوگی۔

۵ – کسی شخص نے شراب یا کسی اور نشہ آور حرام چیز کا استعمال اپنی رضامندی سے جان

☆ بارہواں فقہی سمینار (بستی) بتاریخ ۵-۸/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱-۱۴/ اکتوبر ۲۰۰۰ء۔

بوجھ کر کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا لیکن وہ نشہ کی ابتدائی حالت میں ہے جس میں ایک قسم کا سرور طاری ہوتا ہے البتہ ہوش وحواس برقرار رہتے ہیں اور انسان بات سمجھتا ہے۔ اسی حالت میں وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔

۶ – اور اگر اس حالت میں اس کو شدید نشہ طاری ہوگیا، جس کی وجہ سے ہوش وحواس برقرار نہ رہا، بالکلیہ ہوش وحواس کھو بیٹھا، اور اس حالت میں اس نے الفاظ طلاق استعمال کئے تو اس کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں اس سلسلہ میں شرکاء سمینار دو رائے رکھتے ہیں:

الف – اکثر شرکاء سمینار اس طلاق کو واقع نہیں مانتے، ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

۱ – مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب
۲ – مولانا سید نظام الدین صاحب (امیر شریعت بہار واڑیسہ)
۳ – مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب
۴ – قاضی عبد الجلیل صاحب (قاضی امارت شرعیہ)
۵ – مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب
۶ – مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب (قاضی لکھنو)
۷ – مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب
۸ – مفتی جنید عالم ندوی صاحب (مفتی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ)
۹ – مولانا محمد سلمان حسینی ندوی صاحب
۱۰ – مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی صاحب
۱۱ – مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب
۱۲ – مفتی جمیل احمد نذیری صاحب
۱۳ – مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب
۱۴ – مولانا صباح الدین ملک قاسمی صاحب
۱۵ – مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب
۱۶ – مولانا خورشید احمد قاسمی صاحب
۱۷ – مولانا شفیق احمد مظاہری صاحب (بردوان)
۱۸ – مولانا مبارک حسین ندوی صاحب (نیپال)
۱۹ – مولانا خورشید انور اعظمی صاحب
۲۰ – مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب
۲۱ – مولانا قاری ظفر الاسلام صاحب
۲۲ – مولانا راشد حسین ندوی صاحب
۲۳ – مولانا ریاض احمد سلفی صاحب
۲۴ – مولانا اسرار الحق سبیلی صاحب

ب – درج ذیل حضرات طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں:

۱ – مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب
۲ – مفتی عبد الرحمن صاحب (دہلی)
۳ – مفتی محبوب علی وجیہی صاحب
۴ – مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب

۵-مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب

۶-مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب

۷-مولانا ابوبکر قاسمی صاحب

۸-مولانا ابوجندل صاحب

۹-مولانا اختر امام عادل صاحب

۱۰-مولانا تنویر عالم قاسمی صاحب

۱۱-مولانا عبداللطیف پالنپوری صاحب

۱۲-مفتی سعید الرحمٰن صاحب ممبئی

۱۳-مولانا عبدالقیوم صاحب

۱۴-مولانا عبداللہ مظاہری صاحب بستی

۱۵-قاضی کامل صاحب

۱۶-مولانا نذیر احمد کشمیری صاحب

۱۷-مولانا احمد دیولوی صاحب

۱۸-مولانا جمال الدین صاحب

۱۹-مولانا محمد حمزہ گورکھپوری صاحب

۲۰-مولانا ابرار خاں ندوی صاحب

خواتین کی میراث ☆

ملک بھر سے آئے ہوئے علماء اور فقہاء اور اصحاب افتاء کا یہ اجتماع اس بات پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ صوبہ اتر پردیش میں ابھی تک خواتین کے ساتھ وراثت کے معاملہ میں بے انصافی اور ظلم جاری ہے۔ یوپی کے موجودہ قانون کے مطابق خواتین کو زرعی اراضی میں مرد وارثان کی موجودگی میں وراثت کے حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ یہ قانون ہندوستان کے آئین اور شریعت اسلامیہ سے متصادم ہے۔

اس سمینار کے شرکاء اس بات پر بھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا (شریعت) اپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء کی دفعہ ۲ سے زرعی اراضی کو نکال دیا گیا ہے جس کی بنیاد پر مسلمان خواتین اپنے شرعی حق وراثت سے قانونی طور پر محروم ہوگئی ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ علماء کرام نے اس سلسلہ میں کئی فتاویٰ جاری کئے ہیں جن کی وجہ سے زیادہ تر مسلم خاندانوں میں وراثت کی تقسیم قرآن وسنت کی روشنی میں کی جاتی رہی ہے۔

اس سب کے باوجود بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یوپی زمینداری ایکٹ اور شریعت ایکٹ میں فوراً ترمیم کی ضرورت ہے تاکہ خواتین کو عام طور سے اور مسلم خواتین کو خاص طور سے ان کے حق وراثت سے محروم نہ کیا جا سکے۔

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کٹولی) بتاریخ ۱۸-۲۱ محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء۔

مسلم وغیر مسلم تعلقات ☆

۱ – اسلام کا اپنا ایک مستقل نظام حکمرانی ہے۔ لیکن موجودہ عالمی حالات میں دوسرے غیر اسلامی نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے۔ لہذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز ہے۔

۲ – مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کا تقاضا ہے کہ وہ ووٹ دینے کا قانونی حق بھرپور طریقہ سے استعمال کریں۔

۳ – جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو، ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو۔

۴ – جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کئے جاسکتے ہیں۔

۵ – ملک اور انسانیت کے نفع اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے اور ان کے اشتراک سے تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں۔

☆ چودھواں فقہی سمینار (حیدرآباد) بتاریخ ۱-۳/جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰-۲۲/جون ۲۰۰۴ء۔

۶ – مسلمانوں کو ایسی جگہ رہائش اختیار کرنی چاہئے جہاں وہ اپنے دین وایمان اور اپنے تشخص کو برقرار رکھ سکیں اور تعلیم وتربیت کا ایسا انتظام کرنا چاہئے جس سے اپنے دینی وملی تشخص کی حفاظت کرسکیں۔

۷ – اسلام میں غیر مسلم پڑوسیوں اور اہل تعلق کے بھی حقوق ہیں، اس لئے ان کی بیماری وغم کے موقعوں پر ان کی عیادت وتعزیت کی جائے گی۔

۸ – وندے ماترم جیسے گیت میں شرکیہ الفاظ ہیں اور ہندوستان کی سرزمین کو معبود کا درجہ دیئے جانے کا تصور پایا جاتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے اس جیسے گیت کا پڑھنا شرعاً حرام ہے۔اوران پر اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

۹ – اگر غیر اسلامی قانون شہادت یا دوسرے قوانین کی بنیاد پر کسی مسلمان کے حق میں خلاف شرع فیصلے ہوجائیں تو اس کے لئے اس سے استفادہ جائز نہیں ہے۔یہ سمینار تمام مسلمانون سے اپیل کرتا ہے کہ اپنے تنازعات دار القضاء ہی میں لے جائیں اور وہاں جو فیصلہ ہو اس کو قبول کریں اور اس کے مطابق عمل کریں۔یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض مقدمات میں مسلمان قاضی کا فیصلہ ہی شرعاً معتبر ہے۔

۱۰ – وحدت ادیان کا تصور غیر اسلامی ہے اور کتاب وسنت کی رو سے باطل اور عملی طور پر غیر مفید ہے، بلکہ یہ دراصل اسلام کے تشخص کو مٹانے کی ایک گہری سازش اور مسلمانوں کو گمراہی پر ڈالنے کی ایک ناپاک کوشش ہے۔اس لئے مسلمانوں کو ایسے فتنہ سے بچنا چاہئے۔

۱۱ – اسلام انسانیت کا احترام کرتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے حتی المقدور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مظلوم غیر مسلم بھائیوں کی مدد کرنا ان کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔

۱۲ – مسلمانوں کی طرف سے چلائے جانے والے خدمت خلق کے اداروں مثلاً

ہاسپٹل وغیرہ کے ذریعہ بلاتفریق مذہب تمام لوگوں کی خدمت واعانت کرنی چاہئے، یہی انسانی ہمدردی اور اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے، البتہ اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ زکاۃ کی رقم صرف مستحق مسلمانوں ہی پر خرچ کی جائے۔

۱۳- اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ قدرتی آفات کے موقع پر مسلم تنظیموں کی جانب سے برادران وطن کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے اور ان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے۔

معاشی مسائل

جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عقود ومعاملات ☆

۱- ''مجلس'' سے مراد وہ حالت ہے جس میں عاقدین کسی معاملہ کو طے کرنے میں مشغول ہوں۔ ''اتحاد مجلس'' کا مقصد ایک ہی وقت میں ایجاب کا قبول سے مربوط ہونا ہے۔ اور ''اختلاف مجلس'' سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں ایجاب وقبول میں ارتباط کا تحقق نہ ہو سکے۔

۲- الف- فون اور ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعہ بیع میں ایجاب وقبول معتبر ہوگا، انٹرنیٹ پر بھی اگر بیک وقت عاقدین موجود ہوں اور ایجاب کے بعد فوراً دوسرے کی طرف سے قبول ظاہر ہوجائے تو بیع منعقد ہوجائے گی، اور ان صورتوں میں عاقدین کو متحد المجلس تصور کیا جائے گا۔

ب- اگر انٹرنیٹ پر ایک شخص نے بیع کی پیشکش کی، اور دوسرا شخص اس وقت انٹرنیٹ پر موجود نہیں تھا، بعد کو اس نے اس پیشکش کرنے والے کا پیغام حاصل کیا، یہ صورت تحریر وکتابت کے ذریعہ بیع کی ہوگی، اور جس وقت وہ دوسرا شخص اس پیشکش کو پڑھے اسی وقت اس کی جانب سے قبولیت کا اظہار ضروری ہوگا۔

۳- اگر خریدار اور بائع نے اپنے معاملہ کو مخفی رکھنا چاہا اور اس کے لئے سکریٹ کوڈ (Secret Code) استعمال کیا تو کسی شخص کے لئے اس معاملہ سے باخبر ہونے کی کوشش جائز نہیں ہوگی، البتہ کسی اور شخص کا حق شفعہ یا کوئی اور شرعی حق اس عقد یا بیع سے متعلق ہو تو اس کے لئے اس مخفی معاملہ کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا درست ہے۔

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کٹولی) بتاریخ ۱۸-۲۱ محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶ اپریل ۲۰۰۱ء۔

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت ☆

موجودہ دور میں سونا چاندی ذریعہ تبادلہ نہیں رہا، اور کاغذی نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں سونے چاندی کی جگہ لے لی ہے، حکومت کے قوانین بھی کاغذی نوٹوں کو مکمل طور پر ثمن کی حیثیت دیتے ہیں اور بحیثیت ثمن نوٹوں کو قبول کرنا لازم قرار دیتے ہیں، غرضیکہ کاغذی نوٹوں کی حیثیت عرف اور رواج میں زر قانونی کی ہوگئی ہے۔ کرنسی کے اس ہمہ گیر رواج نے جو شرعی اور فقہی مسائل پیدا کئے ہیں ان کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے اور غور وخوض کرنے کے بعد شرکاء سمینار درج ذیل نکات پر متفق ہوئے:

۱- کرنسی نوٹ سند وحوالہ نہیں ہے بلکہ ثمن ہے اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹ کی حیثیت زر اصطلاحی وقانونی کی ہے۔

۲- عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زر خلقی (سونا چاندی) کی جگہ لے لی ہے اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے، لہذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار۔

۳- دو ملکوں کی کرنسیاں دو اجناس ہیں، اس لئے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائز ہے۔

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱/ جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/ دسمبر ۱۹۸۹ء۔

۴ - کرنسی نوٹوں پر زکوۃ لازم ہے۔

۵ - نوٹوں میں زکوۃ کا نصاب، چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا۔

۶ - مؤخر مطالبات کے سلسلے میں کرنسی نوٹوں کی قوت خرید اور قدر وقیمت میں ہونے والے اتار چڑھاو کا احکام شرعیہ میں اعتبار کیا جائے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں شرکاء سمینار کے درمیان دو نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ کمیٹی کی رائے میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ آئندہ مزید غور وفکر کے بعد کیا جائے گا۔

قسط پر خرید وفروخت ☆

۱- خرید وفروخت کے معاملہ میں ادھار فروخت کی صورت میں بمقابلہ نقد قیمت کا اضافہ جائز و درست ہے، اور اس طرح کی خرید وفروخت بھی درست ہے بشرطیکہ معاملہ کو مکمل کرتے وقت بات اس پر ختم کی جائے کہ یہ خرید وفروخت ادھار اتنی قیمت پر اور اتنی مدت کے لئے ہورہی ہے[1]۔

۲- ادھار قیمت یکمشت ادا کی جائے یا چند حصوں وقسطوں میں، دونوں صورتیں درست ہیں۔

☆ دسواں فقہی سمینار (ممبئی) بتاریخ ۲۱-۲۴/جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴-۲۷/اکتوبر ۱۹۹۷ء۔

(۱) تیسرے فقہی سمینار منعقدہ جون ۱۹۹۰ء میں مرابحہ کے ذیل میں فیصلہ نمبر ۴ کے شق ب میں کہا گیا ہے کہ "یہ درست نہیں ہوگا کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہا جائے کہ اگر نقد خرید اجائے تو یہ قیمت ہوگی اور ادھار خرید اجائے تو دوسری قیمت، یا ادھار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے پر قیمت کی کمی اور زیادتی کا ذکر معاملہ کرتے وقت کیا جائے، بلکہ بینک خریدار کو مطلوبہ سامان کا نمونہ دکھا کر وضاحت کرے کہ اس کی قیمت اتنی مدت میں اتنی قسطوں میں ادا کرنی ہوگی، اور بینک کو اس کی لاگت پر اتنا منافع دینا ہوگا (اور یہی بینک سے خریداری کی قیمت ہوگی)"۔

معاملہ کی اصل معیاری اور احسن صورت وہی ہے جس کا ذکر بذیل تجویز مرابحہ کیا گیا ہے یعنی ادھار اور نقد کی علاحدہ علاحدہ قیمتیں معاملہ کرتے وقت نہیں بتائی جائیں ایسا کرنا درست نہیں۔ لیکن اگر اس کے باوجود یہ اصل معاملہ طے کرنے سے پہلے ہوئیں اور مجلس عقد میں ہی معاملہ کسی ایک صورت پر متعین طور پر کرلیا گیا تو یہ عقد صحیح ہوجائے گا۔

یہ واضح رہے کہ ادھار اور قسطوار بیع میں مثلاً تین مہینہ یا ایک سال مدت قیمت کی ادائگی کے لئے مقرر کی گئی اور خریدار نے وقت مقررہ پر قسط ادا نہیں کی اور تین ماہ کے بجائے چھ ماہ یا ایک سال کے بجائے ڈیڑھ سال ادائگی میں لگ گئے تو اس زائد مدت کی وجہ سے قیمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔

۳- اس طرح کی خرید وفروخت کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ معاملہ کو مکمل کرتے وقت قیمت متعین ہوجائے، ابتداءً خواہ صرف ادھار قیمت ذکر کی جائے یا نقد و ادھار دونوں۔

۴- ادھار خرید وفروخت میں نقد معاملہ کے مقابلہ میں قیمت کی زیادتی ربا کے تحت نہیں آتی، جیسے نقد خرید وفروخت میں جو بھی قیمت ہو وہ مبیع یعنی خرید کردہ سامان کے بالمقابل ہوتی ہے، اسی طرح ادھار خرید وفروخت کے مقابلہ میں بھی طے شدہ قیمت خرید کردہ سامان کے بالمقابل ہوتی ہے۔

۵- متعینہ مدت میں قیمت یا قسط کے ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید کسی طرح کی زیادتی کا مطالبہ اور معاملہ سود کے تحت داخل ہے، خواہ معاملہ کرتے وقت اس طرح کی شرط لگائی گئی ہو، یا یہ کہ بعد میں اس طرح کا مطالبہ کیا جائے۔

۶- جس شخص نے بطور رہن کوئی سامان اپنے پاس رکھا ہو، اس کا رہن رکھے ہوئے سامان سے نفع اٹھانا سود ہے جو کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

۷- رہن کا سامان اگر رہن رکھنے والے کے پاس ہلاک ہوجائے تو سامان کی قیمت اگر دَین کے برابر ہے، تو کسی کے ذمہ کوئی حق نہیں رہا، اگر سامان کی قیمت کم ہے، تو دَین کی باقی رقم دَین والے (جس کے پاس رہن تھا اس) کے ذمہ واجب ہوگی، اگر سامان کی قیمت زیادہ ہے، تو اگر رہن لینے والے کے عمل ولاپرواہی کو اس میں دخل ہے تو دَین سے زیادہ قیمت رہن لینے والے کے ذمہ واجب ہوگی۔

۸- دَین کو وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں قرض دار کو بار بار متوجہ کرنے کے بعد جب کہ اس کا ٹال مٹول ظاہر ہو، قرض خواہ کو اجازت ہے کہ سامان کو واجبی قیمت پر بیچ کر اپنا حق وصول کرلے۔

۹-قسط وار خرید وفروخت کی صورت میں فروخت کردہ سامان کو اگر بائع اس وقت تک کے لئے روکتا ہے جب تک کہ اس کو تمام قسطیں وصول نہ ہو جائیں، تو یہ درست نہیں، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ فریقین یہ طے کرلیں کہ خرید کردہ سامان بطور رہن فروخت کنندہ کے قبضہ میں اس وقت تک رہے گا جب تک اس کی جملہ اقساط ادا نہ ہو جائیں۔

۱۰- طے شدہ مدت تک بعض قسطوں کو ادا کر دینے کے بعد بقیہ قسطوں کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع (فروخت کنندہ) کو یہ حق نہیں ہے کہ فروخت کردہ شئی کو واپس لے لے اور ادا کردہ قسطوں کو واپس نہ کرے۔

۱۱-خرید کردہ سامان کو مشتری (خریدار) کے قبضہ میں دے کر رہن قرار دینا درست نہیں ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ خریدار سے بیچنے والا بطور رہن لے لے، اور اس کے بعد پھر مشتری کو عاریۃً دے دے۔

۱۲- کریڈٹ لیٹر کی اجرت کی بابت کمیٹی نے یہ طے کیا کہ اس سلسلہ میں مزید غور وخوض کیا جائے۔

۱۳-قرض کی دستاویز (رسیدات، پرچیاں وغیرہ) کا کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا کہ اب وہ قرض وصول کرے اور مالک ہو جائے، قرض دینے والا یا واجبات کا مستحق واجب رقم سے کم لے کر اس معاملہ سے علیحدہ ہو جاتا ہے، اس طرح کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

۱۴- واجب الاداء رقم کی مقدار کم کر کے فوری وصول کر لینا جسے "ضع وتعجل" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اگر اصل معاملہ میں کوئی مدت اداء دَین کی معین نہ ہو تو جائز ہے کہ یہ ایک طرح کا تبرع ہے، اور اگر مدت معین ہو تو اس طرح کا معاملہ جائز نہیں ہوگا کہ

جس پر دَین واجب ہے وہ مدت کا فائدہ اٹھا کر واجب الادا دَین کو کم کر رہا ہے۔

۱۵- دَین کی ادائیگی کے لئے طے شدہ مدت سے قبل دَین کی ادائیگی کا مطالبہ جبکہ قسطیں وقت پر ادا نہ کی جارہی ہوں، درست ہے، اس لئے کہ فریقین نے جو معاہدہ کیا ایک فریق نے جب اس کی خلاف ورزی کی تو دوسرے پر بھی اس کی پابندی لازم نہیں رہ گئی۔

۱۶- جملہ اقساط کی ادائیگی سے قبل اگر مدیون (خریدار) کی موت ہوجائے تو بھی معاملہ علی حالہ باقی رہے گا، جیسا کہ دائن کی موت کی صورت میں باقی رہتا ہے، بشرطیکہ بائع (دائن) اس پر راضی ہو۔

عقد مرابحہ کے شرعی اصول ☆

۱- مرابحہ کا فقہاء کے نزدیک ایک متعین مفہوم ہے۔

۲- اسلامی بینکوں میں مرابحہ جن شکلوں میں رائج ہے وہی شکلیں اس سمینار میں زیر بحث ہیں۔

۳- مشہور فقہی قاعدہ ہے کہ عقود معاملات میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے محض الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا، لہذا مرابحہ کے نام پر جو معاملات مروج ہیں ان کی حقیقت کا اعتبار ہے محض ان کے ناموں کا اعتبار نہیں ہے۔

۴- اسلامی بینکوں میں استعمال ہونے والی مرابحہ کی شکلیں مرابحہ کی معروف شرطوں کے ساتھ اسی صورت میں جائز ہوں گی جب کہ:

الف- بینک کی طرف سے جاری کردہ مخصوص فارم (Quotation) میں بینک کے ذریعہ فروخت کی جانے والی اشیاء کی نوعیت، ان کی کیفیت (Quality) اور دوسری ضروری صفات واضح طور پر ذکر کی گئی ہوں تاکہ جہالت اور ابہام کی وجہ سے معاملہ کے ہر دو فریق کے درمیان کسی نزاع کا امکان باقی نہ رہے، نیز اس قیمت خرید یا لاگت پر بینک کو ملنے والے نفع (قیمت)، اس کی ادائیگی کی مدت اور اقساط کی صراحت کردی گئی ہو۔

ب- یہ درست نہیں ہوگا کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہا جائے کہ اگر نقد خریدا جائے تو یہ

☆ تیسرا فقہی سمینار (بنگلور) بتاریخ ۱۳-۱۶/ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/جون ۱۹۹۰ء۔

قیمت ہوگی اور ادھار خریدا جائے تو دوسری قیمت، یا ادھار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے پر قیمت کی کمی اور زیادتی کا ذکر معاملہ کرتے وقت کیا جائے، بلکہ بینک خریدار کو مطلوبہ سامان کا نمونہ دکھا کر وضاحت کرے کہ اس کی قیمت اتنی مدت میں اتنی قسطوں میں ادا کرنی ہوگی، اور بینک کو اس کی لاگت پر اتنا منافع دینا ہوگا (اور یہی بینک سے خریداری کی قیمت ہوگی)۔

حقوق کی فقہی حیثیت ☆

۱- بیع میں مال کی شرط جوہری ہے۔

۲- مال کی حقیقت نصوص شرعیہ نے متعین نہیں کی ہے۔ پس اس کا اصل مدار ہر عہد کے اس عرف ورواج پر ہے جو شریعت سے متصادم نہ ہو۔

۳- وہ تمام حقوق جن کی مشروعیت اصالۃً نہیں بلکہ صاحب حق سے کسی ضرر کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے، ایسے حقوق پر عوض لینا جائز نہیں جیسے شفعہ۔

۴- جو حقوق نصوص شرعیہ سے ثابت ہوں البتہ ان سے مالی منفعت متعلق ہوگئی اور عرف میں ان کا عوض لینا مروج اور معروف ہو چکا ہو، نیز ان کی حیثیت محض دفع ضرر کی نہ ہو اور نہ وہ شریعت کے عمومی مقاصد ومصالح سے متصادم ہوں، ایسے حقوق پر عوض حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔

۵- کون سے حقوق کس نوع میں داخل ہیں، اور اس تفصیل کے مطابق عصر حاضر میں مروج کون سے حقوق قابل عوض ہیں اور کون قابل عوض نہیں ہیں، ان کی تعیین وتطبیق کے لئے مستند دار الافتاء اور اصحاب فتویٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

☆ تیسرا فقہی سمینار (بنگلور) بتاریخ ۱۳-۱۶/ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/جون ۱۹۹۰ء۔

قبضہ کی حقیقت اور اس سے متعلق احکام ☆

۱- اصولی طور پر قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، تاہم اگر قبضہ سے پہلے بیع کر دی جائے تو یہ بیع فاسد ہوگی نہ کہ باطل، اور قبضہ کے بعد مفید ملک ہوگی۔

۲- کتاب وسنت میں قبضہ کی حقیقت اور اس کی کوئی خاص صورت مقرر نہیں کی گئی ہے، گویا شریعت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے عرف کو اصل قرار دیا ہے، لہذا ہر عہد کے مروجہ طریقوں اور اشیاء کی مختلف انواع کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت متعین ہوگی۔

۳- فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ اصل میں مبیع پر خریدار کے ایسے استیلاء کا نام ہے کہ مبیع پر اس کے تصرف میں کوئی مانع باقی نہ رہے، اسی کو فقہ کی کتابوں میں ''تخلیہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴- بیع قبل القبض کی ممانعت ''غرر انفساخ'' کی علت پر مبنی ہے، یعنی جب تک مبیع خریدار اول کے ہاتھ نہ آجائے اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ مبیع اس کے قبضہ میں آہی نہ پائے، اور وہ خریدار دوم کو مبیع کی حوالگی پر قادر نہ رہے۔

۵- بیع قبل القبض کی ممانعت کا تعلق اموال منقولہ سے ہے، اموال غیر منقولہ میں بیع قبل القبض جائز ہے، بشرطیکہ خریدار کے لئے انتفاع سے کوئی قوی مانع نہ پایا جاتا ہو۔

۶- اگر ایک شخص کسی بائع (فیکٹری وغیرہ) سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے

☆ نواں فقہی سمینار (جے پور) بتاریخ ۲۷-۳۰/جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱-۱۴/اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

ہاتھ فروخت کردے، اور ابھی خریدا ہوا مال فیکٹری نے روانہ بھی نہ کیا ہو، تو یہ صورت بیع قبل القبض میں داخل ہے اور جائز نہیں ہے۔

۷- اگر ایک شخص کسی فیکٹری وغیرہ سے خرید کر اس کو کسی خاص ذریعہ (جہاز، ٹرانسپورٹ، پرمٹ وغیرہ) سے سامان کی ترسیل کا آرڈر دے اور مطلوبہ سامان فیکٹری سے روانہ بھی کردیا جائے اور نقصان کی صورت میں خریدار اس کا ضامن ہوتا ہو، نیز ترسیل کی اجرت خریدار کے ذمہ ہے، تو جس ذریعہ سے مال روانہ کیا جائے اس کا قبضہ خریدار کی طرف سے وکالۃً قبضہ متصور ہوگا، لہذا اس صورت میں مال پہونچنے سے پہلے خریدار کو فروخت کرنا جائز ہے، اور یہ بیع قبل القبض میں داخل نہیں، البتہ جس شخص نے اس خریدار سے مال خریدا ہے اس خریدار دوم کے لئے مال پہنچنے سے پہلے دوبارہ بیع جائز نہیں، اور اگر بیع کرے تو یہ بیع قبل القبض کے زمرہ میں داخل ہوگی۔

پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید وفروخت ☆

رسول اللہ ﷺ نے پانی میں موجود مچھلیوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے، فی زمانہ مچھلیوں کے کاروبار کی بعض ایسی صورتیں مروج ہوگئی ہیں جن کے اس زمرہ میں شامل ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے نویں سمینار منعقدہ جامعۃ الہدایہ جے پور میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی اور درج ذیل امور طے پائے:

۱- ندی، نالے، نہریں جو کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوتیں بلکہ سرکار ان کو اشخاص یا کوآپریٹو سوسائٹی یا گرام پنچایت کو مخصوص مدت کے لئے بندوبست کردیتی ہے، یہ مچھلی کے حق شکار پر ہوتا ہے، اس لئے یہ معاملہ عقد اجارہ کی صورت ہے اور جائز ہے۔ لیکن سرکار کے لئے مناسب ہے کہ ایسے تالاب کا بندوبست نہ کرے جس سے عام لوگوں کو ضرر پہنچ سکتا ہو۔

۲- پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کو فروخت کردینا جائز نہیں ہوگا۔ اگر بائع تالاب کی ان مچھلیوں کا مالک ہو تو اس صورت میں یہ بیع فاسد ہوگی، اور اگر بائع حسب حکم شرع ان مچھلیوں کا مالک بھی نہیں اور اسے پانی سے نکالے بغیر فروخت کرتا ہے تو یہ بیع باطل ہوگی، البتہ اگر حوض چھوٹا ہو اور وہ مچھلیاں آسانی کے ساتھ نکال کر خریدار کو حوالہ کی جاسکتی ہوں تو ایسی صورت میں پانی میں رہتے ہوئے مچھلی فروخت کی جاسکتی ہے۔

۳- مچھلی کے مالک ہونے کی تین صورتیں ہیں:

☆ نواں فقہی سمینار (جے پور) بتاریخ ۲۷ - ۳۰/ جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱ - ۱۴/ اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

الف-تالاب میں مچھلیاں قدرتی طور پر آ گئی ہوں اور تالاب کے مالک نے ان مچھلیوں کو روکنے کی تدبیر کی ہو۔

ب-مچھلیوں کی غرض سے تالاب بنوایا گیا ہو۔

ج-کسی شخص نے تالاب میں مچھلی کی افزائش کے لئے مچھلی کے زیرے ڈالے ہوں۔

نوٹ: مولانا شاہین جمالی صاحب (مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ) کے نزدیک موجودہ وسائل ماہی گیری، تعامل اور حاجات انسانی کی رعایت کے نقطۂ نظر سے مملوکہ مچھلیاں پانی کے اندر رہوں اور تالاب ایسا ہو کہ جال اس کا احاطہ کرلے، تب ان کو پانی کے اندر بھی فروخت کرنا جائز ہے۔

شیئرز اوران کی خرید وفروخت ☆

۱ - کسی کمپنی کا خرید کردہ اکویٹی شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، وہ محض اس بات کی دستاویز نہیں ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دی ہے۔

۲ - ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی ابتدائی خریداری جو ابھی سرمایہ اکٹھا کرنے کے مرحلے سے گزر رہی ہیں، شرعاً خریداری نہیں بلکہ اس کمپنی میں شرکت ہے۔

۳ - عام طور پر کمپنیوں کی دوسری املاک نقد سرمایہ سے زیادہ ہوتی ہیں، اس لئے کمپنیز کے شیئرز کی خریداری درست ہے، لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ ادا کردہ نقد اس مقدار نقد کے برابر یا اس سے کم ہے جس کی شیئرز نمائندگی کرتا ہے تو ایسی صورت میں شیئرز کی خریداری اس کی مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ پر درست نہ ہوگی۔

۴ - جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے، مثلاً شراب وخنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی قرضے دینا وغیرہ، ان کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔

۵ - شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ ہندوستان میں ایسی کمپنیز کا قیام قابل عمل ہے جو خالص اسلامی اصول تجارت کے اعتبار سے کاروبار کریں، سمینار مسلم تجار اور ماہرین معاشیات کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنی دینی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ایسی کمپنیز کے قیام کی جد وجہد کریں جو کامل طور پر اسلامی احکام پر کاربند ہوں۔

☆ نواں فقہی سمینار (جے پور) بتاریخ ۲۷ - ۳۰/ جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱ - ۱۴/ اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

لیکن چونکہ فی الحال ایسی کمپنیاں ہندوستان میں موجود نہیں ہیں یا بہت کم ہیں جو خالص اسلامی بنیادوں پر کاروبار کرتی ہوں، اس لئے جن مسلمانوں کے پاس نقد سرمایہ ہو اور اپنے مخصوص حالات کی بنا پر ان کے لئے جائز تجارت میں اس سرمایہ کو لگانا قابل عمل نہ ہو ان کے لئے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہو (مثلاً انجینیرنگ کے سامان یا عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا) اگرچہ انہیں بعض قانونی مجبوریوں کی وجہ سے سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہو۔

۶ – جن مسلمانوں نے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن وہ کمپنیز ضمنی طور پر بعض ناجائز تصرفات میں بھی ملوث ہوتی ہیں، ان مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ شیئر ہولڈرس کی سالانہ میٹنگ میں کمپنی کو آئندہ ایسے ناجائز تصرفات سے روکنے کی کوشش کریں، اور دوسرے شیئر ہولڈرس کو افہام و تفہیم کے ذریعہ اس بات پر آمادہ کرنے کی سعی کریں کہ وہ بھی ان کے نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے ہوئے میٹنگ میں ان کی تائید کریں۔

۷ – اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع میں سے اس کے بقدر صدقہ بلانیت ثواب کردینا ضروری ہے۔

۸ – اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہوگیا ہے اسی تناسب سے ملنے والے منافع سے نکال کر بلانیت ثواب اپنی ملک سے نکال دینا ضروری ہے۔

(نوٹ: دفعہ ۷ اور ۸ میں مولانا رئیس الاحرار ندوی صاحب کے نزدیک سود کی رقم غیر مسلم ہی کو دی جائے)۔

۹ – کمپنی کی اپنی قانونی شخصیت ہے جو شیئر ہولڈرس کی اجتماعی حیثیت کی نمائندگی

کرتی ہے، بورڈ آف ڈائرکٹرس کمپنی کے منتخب کردہ افراد کا مجموعہ ہے جو کمپنی کی طرف سے تصرفات کرتا ہے اور اس طرح شیئر ہولڈر کے مجموعہ کا وکیل ہے، لہذا بورڈ آف ڈائرکٹرز کے تصرفات جو کمپنی کے مقرر کردہ اصول وضوابط کی حدود میں ہوں، کی بالواسطہ ذمہ داری سبھی شیئر ہولڈرس پر آتی ہے۔

۱۰- حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے۔

۱۱- فیوچر سیل (Future Sale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے، اسلامی شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہے کیونکہ یہ کھلا ہوا جوا ہے۔

۱۲- غائب سودا (Forward Sale) جس میں بیع تو ہوجاتی ہے لیکن اس کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، بیع نہیں وعدۂ بیع ہے، مقررہ تاریخ آنے پر ایجاب وقبول ہونے کے بعد ہی بیع وجود میں آئے گی۔

۱۳- حاضر سودے (Cash Sale - Spot Sale) میں شیئر سرٹیفکٹ پر قبضہ سے پہلے خرید کردہ شیئرز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۱۴- شیئر سرٹیفکٹ حاصل ہونے کے بعد خریدار کا اس پر قبضہ متحقق ہوجاتا ہے، اگرچہ بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کمپنی میں اس کا نام اندراج نہ ہوسکا ہے، لہذا اس شیئر کو خرید ارفروخت کرسکتا ہے۔

۱۵- جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان کی خرید وفروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، ناجائز اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت میں بحیثیت بروکر کام کرنا جائز نہیں ہے۔

کمپنیوں کے شیئرز ☆

۱- ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حلال ہے، اسلامی مالیاتی ادارہ یا کوئی بھی مسلمان ان کے شیئرز خرید سکتا ہے۔

۲- ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حرام ہے، ان کے شیئرز کی خریداری ہرگز جائز نہیں ہے۔

☆ چھٹا فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۱۷- ۲۰/رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱/دسمبر ۱۹۹۳ء- ۳/جنوری ۱۹۹۴ء۔

پگڑی کی شرعی حیثیت ☆

۱- مالک مکان زرِ ضمانت وڈپوزٹ کے نام سے کرایہ دار سے جو پیشگی رقم وصول کرتا ہے بہتر ہے کہ اس کو بعینہ محفوظ رکھا جائے، اگر مالک اس کو خرچ کردے تو وہ اس بات کا ضامن ہوگا کہ کرایہ داری کی مدت ختم ہوتے ہی وہ رقم کرایہ دار کو فوراً واپس کردے۔

۲- اگر کوئی مکان یا دوکان کرایہ پر دیا جائے اور مالک مکان مروجہ پگڑی کے نام پر اصل ماہوار کرایہ کے علاوہ بھی نقد رقم کرایہ دار سے وصول کرے تو سمجھا جائے گا کہ مالک مکان نے بحیثیت مالک اپنے مکان کو کرایہ دار سے واپس لینے کے حق سے دست برداری کا عوض وصول کرلیا ہے۔ یہ رقم اس کے لئے اس حق کے عوض ہونے کی بنیاد پر جائز ہوگی۔ آئندہ اگر مالک مکان کرایہ دار سے مکان واپس لینا چاہے تو کرایہ دار کو اس کا حق ہوگا کہ وہ مکان خالی کرنے کے عوض جس پر ہر دو فریق راضی ہوجائیں مالک مکان سے وصول کرلے، اور اسی طرح کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کے حق میں باہمی طے شدہ رقم کے عوض اپنے اس حق سے جو اس نے اصل مالک سے عوض دے کر حاصل کیا تھا دست بردار ہوسکتا ہے۔

۳- مالک مکان نے پگڑی لئے بغیر مکان کرایہ پر دیا اور اجارہ کی مدت معاہدہ میں مقرر نہیں کی گئی ہو تو اس صورت میں مالک مکان کو حق ہوگا کہ جب چاہے مکان خالی کرالے۔ البتہ مالک مکان کو چاہئے کہ خالی کرانے کا نوٹس اور خالی کرنے کی تاریخ کے درمیان ایسی مہلت

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱/جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/دسمبر ۱۹۸۹ء۔

دے جو مقامی حالت کے پیشِ نظر مناسب ہو اور جس میں مالک اور کرایہ دار کو کوئی خاص ضرر لاحق نہ ہو، اور کرایہ دار کو چاہئے کہ اس مناسب مہلت میں مکان خالی کردے۔

۴ – جو مکان یا دوکان بغیر پگڑی لئے کرایہ پر دی گئی ہو، مالک مکان کو مکان واپس کرتے وقت کرایہ دار کے لئے اس سے پگڑی طلب کرنا جائز نہ ہوگا۔

۵ – سمینار مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ اپنے معاملات میں شریعت کا خاص خیال رکھیں، شریعت چاہتی ہے کہ کسی بھی معاہدہ کے بارے میں معاہدہ کے ہر دو فریق تمام ضروری متعلقہ امور کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ باہم طے کرلیں تاکہ آئندہ کوئی نزاع پیدا نہ ہو اور فریقین ضرر سے محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں سمینار خصوصیت سے یہ سفارش کرتا ہے کہ کرایہ داری کا معاملہ طے کرتے وقت مدت کا تعین کرلیا جائے اور اگر مالک مکان عوض لے کر ہمیشہ کے لئے اپنے مکان خالی کرانے کے حق سے دست بردار ہونا چاہتا ہے تو فریقین صراحۃً آپس میں اس کو طے کرلیں۔

بنک انٹرسٹ ☆

بنک انٹرسٹ کے سود ہونے پر شرکاء سمینار کا اتفاق ہے۔ انٹرسٹ کی رقم بنک سے نکالی جائے یا چھوڑ دی جائے؟ نکال لی جائے تو کس مصرف میں خرچ کی جائے؟ اس سلسلہ میں طے پایا کہ:

۱- بینکوں سے ملنے والی سود کی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہئے۔

۲- بینک کے سود کی رقم کو بلا نیت ثواب فقراء ومساکین پر خرچ کر دیا جائے اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے۔

۳- سود کی رقم کو مساجد اور اس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

۴- اکثر شرکاء سمینار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء ومساکین تک محدود رکھنا چاہئے۔

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱/جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/دسمبر ۱۹۸۹ء۔

تجارتی سود☆

سود خواہ ذاتی مصارف کے قرضوں پر لیا دیا جائے یا تجارتی وکاروباری قرضوں پر، شریعت اسلامیہ کی نظر میں بہرحال حرام ہے۔ یہ سمجھنا کہ سود کی حرمت کا اطلاق تجارتی وکاروباری قرضوں پر نہیں ہوتا قطعاً غلط ہے۔ نیز یہ خیال کہ تجارتی وکاروباری قرضوں کا وجود زمانہ نزول قرآن میں نہیں پایا جاتا اس لئے حرمت ربوٰ کا اطلاق ان پر نہیں ہوگا، کسی طرح درست نہیں۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین عرب جاہلیت، نیز ان قوموں میں جن سے جاہلی عرب کے تجارتی روابط تھے رائج اور شائع تھا۔ چنانچہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین تحریم ربا کا اولین مورد ہے۔ اس کے علاوہ بالفرض اگر تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین کا وجود زمانہ نزول قرآن میں نہ بھی پایا جاتا تب بھی مستقل شرعی دلائل دونوں قسم کے قرضوں (ذاتی وشخصی اور تجارتی وکاروباری) پر اضافے یعنی سود کی حرمت کے بارے میں قائم ہیں۔ قرآن وسنت، اجماع وقیاس اور امت محمدیہ کا عمل متوارث سب یہی بتاتے ہیں کہ حرمت ربوٰ کے بارے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہ قرض لینے دینے کا مقصد اور محرک کیا ہے؟

سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ، مناسب حد تک کم ہے یا نا مناسب حد تک زیادہ۔ شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ شرح سود اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے اور اگر نامناسب حد تک زیادہ ہے تو ناجائز، دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے۔

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱/جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/دسمبر ۱۹۸۹ء۔

ہندوستان کے پس منظر میں انشورنس کا حکم ☆

ہندوستان کے موجودہ حالات اور مسلمانوں کو درپیش ہر آن جان اور مال کے خطرے کو سامنے رکھتے ہوئے جان ومال کے تحفظ اور قیام امن کے سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داریوں اور بسا اوقات نہ صرف غفلت بلکہ حکومت کے عملہ کی طرف سے فسادات کی ہمت افزائی اور بعض اوقات اس میں شرکت اور پھر مسلمانوں کے جان ومال کو پہنچنے والے نقصانات کی تلافی میں حکومت کی طرف سے کوتاہی اور اس وجہ سے کہ وہ ہندوستان کی انشورنس کمپنیاں بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت سے ہی متعلق ہیں، ان ہی حالات کی روشنی میں ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے چوتھے سمینار منعقدہ مورخہ ۲۷ - ۳۰ محرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ - ۱۲/اگست ۱۹۹۱ء بمقام دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد میں غور کیا گیا تھا۔

شرکاء سمینار کا عام رجحان یہ تھا کہ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے جان ومال کا بیمہ کرانا جائز قرار دینا چاہئے، لیکن دوران بحث یہ نقطہ اٹھایا گیا کہ فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں پہنچنے والے جانی ومالی نقصان کو بیمہ کے ذریعہ رائج انشورنس قانون کے تحت تحفظ حاصل ہے یا نہیں؟ اور مندرجہ ذیل تجویز منظور کی گئی:

''کمیٹی نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور یہ محسوس کیا کہ انشورنس کمپنیوں کی پالیسی اس سلسلہ میں واضح نہیں ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات میں ہونے والے جانی ومالی نقصانات کو موجودہ انشورنس قانون کی رو سے تحفظ حاصل ہوتا ہے، اور اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس

☆ پانچواں فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶/جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/اکتوبر-۲/نومبر ۱۹۹۲ء۔

مسئلہ پر تفصیل سے غور کیا جائے اور انشورنس کے ماہرین سے مختلف اسکیموں کے بارے میں پوری معلومات حاصل جائیں، سمینار کے عام اجلاس میں کمیٹی کی اس تجویز سے اتفاق کیا گیا اور مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر ماہرین سے پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد کوئی قطعی رائے قائم کرے:

۱-	مولانا مجیب اللہ ندوی	جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ
۲-	مولانا برہان الدین سنبھلی	دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۳-	مولانا عبید اللہ اسعدی	جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ
۴-	مولانا عتیق احمد بستوی	دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۵-	مولانا مفتی حبیب الرحمن خیرآبادی	دار العلوم دیوبند
۶-	مولانا مفتی احمد خان پوری	جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل
۷-	مولانا عبد الاحد ازہری	معہد ملت، مالیگاؤں
۸-	مولانا مفتی منظور احمد کان پوری	جامع العلوم کان پور
۹-	مولانا نظام الدین اشرفی	دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور
۱۰-	مولانا مفتی ظہیر الدین مفتاحی	دار العلوم دیوبند
۱۱-	مفتی عبد القدوس رومی	آگرہ
۱۲-	مولانا زبیر احمد قاسمی	دار العلوم سبیل السلام، حیدرآباد
۱۳-	مفتی جنید عالم قاسمی	امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ
۱۴-	مولانا خلیل الرحمن اعظمی	جامعہ دار السلام عمرآباد
۱۵-	مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی	لکھنؤ
۱۶-	جناب عبد الستار یوسف شیخ	بمبئی
۱۷-	مولانا مجاہد الاسلام قاسمی	امارت شرعیہ، پٹنہ"

اسلامک فقہ اکیڈمی کے سمینار منعقدہ مورخہ ۳-۶/جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰-۳۱/اکتوبر اور ۱-۲/نومبر ۱۹۹۲ء بمقام جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کے موقع پر اس سلسلہ میں

ضروری معلومات اور ان پر غور کر کے کوئی قطعی فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں کمیٹی مذکور کے موجودہ ارکان اور مزید دیگر علماء پر مشتمل ایک کمیٹی نے پوری صورت حال پر غور کیا، اور خاص کر انشورنس کے قانون کی اس دفعہ پر غور کیا گیا جس سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ فسادات کی صورت میں جان ومال کو پہنچنے والے نقصانات کو تحفظ نہیں مل سکتا، لیکن اس سلسلہ میں ''لائف کارپوریشن آف انڈیا'' کی جاری کردہ تفصیلات پر غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس اعلامیہ کی دفعہ (۱۰) شق (III A. B.) میں فرقہ وارانہ فسادات سے پہنچنے والے نقصانات کا استثناء دراصل دفعہ ۱۰ سے حاصل ہونے والی ان مراعات سے استثناء ہے جن کے تحت حادثاتی موت کی صورت میں اصل انشورنس پالیسی پر مستزاد اضافی رقم دی جاتی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ عام طور پر حادثاتی موت میں اصل انشورنس پالیسی سے زائد رقم دیئے جانے کا پروویژن فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں پہنچنے والے جانی اور مالی نقصانات کو شامل نہیں ہوگا، یعنی اس صورت میں انشورنس پالیسی پر اضافی رقم نہیں ملے گی، لیکن جتنی بھر انشورنس پالیسی ہے جیسے دیگر عام جانی ومالی نقصانات میں ملتی ہے اسی طرح اس میں بھی ملے گی، اس نقطہ کے واضح ہوجانے کے بعد ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کی یہ کمیٹی (مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ نے ۱۹۶۰ء میں انشورنس کے سلسلہ میں جو فیصلہ کیا تھا، نیز ملک کی مؤقر درسگاہ ''دارالعلوم دیوبند'' سے اس بابت جو فتویٰ دیا جاچکا ہے) مجلس کے فیصلے اور دارالعلوم کے فتویٰ کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل قطعی فیصلہ کرتی ہے:

''مروجہ انشورنس اگرچہ شریعت میں ناجائز ہے کیونکہ وہ ربوا، قمار، غرر جیسے شرعی طور پر ممنوع معاملات پر مشتمل ہے، لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات میں جبکہ مسلمانوں کی جان ومال، صنعت وتجارت وغیرہ کو فسادات کی وجہ سے ہر آن شدید خطرہ لاحق رہتا ہے، اس کے پیش نظر ''الضرورات تبیح المحظورات'' رفع ضرر، دفع حرج اور تحفظ جان ومال کی شرعاً

اہمیت کی بنا پر ہندوستان کے موجودہ حالات میں جان ومال کا بیمہ کرانے کی شرعاً اجازت ہے(۱)۔

اس فیصلہ پر دستخط کرنے والے اہم علماء کرام کے اسماء گرامی:

۱-	حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب	دار العلوم دیوبند
۲-	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب	دار العلوم دیوبند
۳-	حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی	ندوۃ العلماء لکھنؤ
۴-	حضرت مولانا حبیب اللہ قاسمی صاحب	مفتی ریاض العلوم، گوریتی
۵-	حضرت مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب	مدرسہ احمدیہ ابا بکر پور، ویشالی
۶-	حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب	اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی
۷-	حضرت مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی صاحب	دار العلوم دیوبند
۸-	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب	امارت شرعیہ، پٹنہ
۹-	حضرت مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب	دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۰-	حضرت مولانا عزیز الرحمٰن فتح پوری صاحب	بمبئی
۱۱-	حضرت مولانا رفیق المنان قاسمی صاحب	احیاء العلوم مبارک پور
۱۲-	حضرت مولانا سید مصطفیٰ رفاعی ندوی صاحب	صدر الاصلاح، بنگلور
۱۳-	حضرت مولانا معاذ الاسلام صاحب	مرادآباد
۱۴-	حضرت مولانا اشفاق احمد صاحب	جامعہ شرعیہ، سرائے میر

(۱) واضح رہے کہ فقہ اکیڈمی کی طرف سے یہ تجویز اور سمینار میں شریک اہل علم کی طرف سے اس کی تائید کا یہ مطلب نہیں کہ انشورنس مسلمانوں کی حفاظت کا ضامن ہے اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس انشورنس کے بعد جو بھی صورت پیش آئے اس میں ملنے والی سب رقم انشورنس کرانے والوں کے لئے جائز و درست ہوگی، بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ صرف فسادات کی صورت میں جان و مال کے نقصان کے بعد جو کچھ ملے اور جو حق قانون وضابطہ میں بتایا جائے، اس کے مطابق ملنے والا مال تو انشورنس کرانے والوں کے لئے جائز و درست ہوگا اور بقیہ صورتوں میں صرف اپنی جمع کردہ رقم کے بقدر لینا اور استعمال کرنا جائز ہوگا، زائد کا نہیں۔ اور انشورنس کی صورت میں زائد کے جواز کی جہت حکومت کی نااہلی اور غیر ذمہ داری کی وجہ سے اس کی طرف سے اور اس پر ضمان کی ہے۔

(مبتلیٰ بہ کی صواب دید پر اجازت کی گنجائش ہے)

۱۵-	حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب	اجراڑہ، میرٹھ
۱۶-	حضرت مولانا محمد ارشد قاسمی صاحب	اجراڑہ
۱۷-	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	حیدرآباد
۱۸-	حضرت مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب	جامعہ اسلامیہ، سمرا چمپارن
۱۹-	حضرت مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب	ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ
۲۰-	حضرت مولانا محمد جنید عالم ندوی قاسمی صاحب	دارالافتاء امارت شرعیہ، پٹنہ
۲۱-	حضرت مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب	رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی
۲۲-	حضرت مولانا بدر احمد مجیبی ندوی صاحب	خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ
۲۳-	حضرت مولانا نجیب احمد قاسمی صاحب	جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ
۲۴-	حضرت مولانا محمد صدر الحسن ندوی صاحب	اورنگ آباد
۲۵-	حضرت مولانا شبیر احمد صاحب	مدرسہ شاہی، مرادآباد

(احقر کو املاک کے بیمہ سے اتفاق ہے جیون کے جواز سے اتفاق نہیں ہے)۔

۲۶-	حضرت مولانا محمد عبدالرحیم قاسمی صاحب	جامعہ حسینیہ خیر العلوم بھوپال
۲۷-	حضرت مولانا مبارک حسین ندوی قاسمی صاحب	نیپال
۲۸-	حضرت مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی صاحب	دارالعلوم گورکھپور
۲۹-	حضرت مولانا شمیم احمد صاحب	جامعہ مفتاح العلوم مئو
۳۰-	حضرت مولانا سعید الحق قاسمی صاحب مدنی	دارالقرآن مئو
۳۱-	حضرت مولانا محمد یوسف قاسمی صاحب	جامعہ امداد العلوم زید پور، بارہ بنکی
۳۲-	حضرت مولانا سرفراز احمد صاحب	جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور
۳۳-	حضرت مولانا افضال احمد قاسمی صاحب	خطیب مسجد نیپالی ٹلی پترا کالونی، پٹنہ
۳۴-	حضرت ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی صاحب	دار قدرت، میسور، کرناٹک
۳۵-	حضرت مولانا عبدالقیوم پالن پوری صاحب	مدرسہ جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات
۳۶-	حضرت مولانا عبداللہ قاسمی صاحب	استاذ جامعہ اسلامیہ، بنارس
۳۷-	حضرت مولانا عبدالرحمن قاسمی پالن پوری صاحب	دارالعلوم چھاپی، گجرات

۳۸- حضرت مولانا محمد عمران مظاہری صاحب	دارالعلوم چھاپی، گجرات
۳۹- حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب	مدرسہ بیت المعارف، الٰہ آباد
۴۰- حضرت مولانا تنویر عالم قاسمی صاحب	مدرسہ اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی
۴۱- حضرت مولانا مفتی انور علی اعظمی صاحب	دارالعلوم مئو
۴۲- حضرت مفتی اقبال احمد صاحب	دارالعلوم دیوبند
۴۳- حضرت مولانا شعیب اصلاحی صاحب	مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ
۴۴- حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب	قاضی شریعت بہار واڑیسہ، پٹنہ
۴۵- حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب	جامعۃ الرشاد، اعظم گڈھ
۴۶- حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب	کویت
۴۷- حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب	استاد جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ
۴۸- حضرت مولانا محمد راشد صاحب	دارالعلوم دیوبند
۴۹- حضرت مولانا مفتی جمیل احمد نذیری صاحب	استاد جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارک پور
۵۰- حضرت مولانا ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی صاحب	شعبۂ معاشیات، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ
۵۱- حضرت مولانا خمیس پیرزادہ صاحب (اضطراری صورت ہی میں اجازت دی جاسکتی ہے)	بمبئی
۵۲- حضرت مولانا نذیر احمد قاسمی صاحب (ضرورت شدیدہ کا لحاظ ضروری ہے)	بارہ بنکی
۵۳- حضرت مولانا خبیب احمد قاسمی صاحب	اسلامک فقہ اکیڈمی پھلواری شریف، پٹنہ

دوملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ ☆

دوملکوں کی کرنسیوں کے باہمی تبادلہ کے مسئلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی طرف سے منعقد ہونے والے دوسرے فقہی سمینار میں یہ طے ہو چکا ہے کہ دوملکوں کی کرنسیاں دو جنس ہیں جن کا باہمی تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔

چوتھے سمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ دوملکوں کی کرنسیوں کے تبادلہ میں عوضین پر فوری قبضہ مجلس عقد میں ضروری ہے یا نہیں؟ شریک علماء کے دو رجحانات سامنے آئے۔ ایک رائے یہ ہے کہ مجلس عقد میں ہر دو عوض پر فوری قبضہ ضروری نہیں، ایک عوض پر قبضہ کافی ہے، کیونکہ نوٹوں کی حیثیت کلی طور پر سونے چاندی جیسی نہیں کہ یہ اعتباری اور اصطلاحی اثمان ہیں۔

علماء کی ایک جماعت اسے خلقی اثمان (سونے چاندی) کی طرح تصور کرتی ہے، اس لئے بدلین پر قبضہ کو مجلس عقد میں ضروری قرار دیتی ہے۔ البتہ یہ حضرات عام طور پر قبضہ کی تعریف کو وسیع کرتے ہوئے ڈرافٹ اور چیک کے حصول کو اصل بدل پر قبضہ کے مترادف قرار دیتے ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس ہر دو مؤثر آراء کو سامنے رکھتے ہوئے طے کرتا ہے کہ دو ملکوں کی کرنسیوں کے ادھار تبادلہ میں بہر حال احتیاط برتی جائے، لیکن واقعی حاجت وضرورت کی صورت میں اول الذکر رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

☆ چوتھا فقہی سمینار (حیدرآباد) بتاریخ ۲۷ - ۳۰ محرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ - ۱۲ / اگست ۱۹۹۱ء۔

سود☆

۱-ربوٰ(سود)قطعی حرام ہے،اور جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے۔

۲- سود ادا کرنے کی حرمت بذات خودنہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سودخواری کا ذریعہ ہے، اس لئے بعض خاص حالات میں عذر کی بنیاد پر سود ادا کر کے قرض لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔کون ساعذر معتبر ہے اورکون سانہیں، اورکون سی حاجت قابل لحاظ ہے اورکون سی قابل لحاظ نہیں، اس سلسلہ میں معتمد اصحاب افتاء کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔

۳- ہندوستان میں محض سرکاری قرضے ایسے ہیں جن پر سرکار کی طرف سے چھوٹ (Subsidy) دی جاتی ہے اورسود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگرسود کے نام سے لی جانے والی اضافی رقم چھوٹ (Subsidy) کے مساوی ہو یا اس سے کم ہوتو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں۔

۴- ہندوستان میں حکومت جب اراضی مملوک کو ایکوائر کرتی ہے (یعنی بحکم سرکاری وہ اراضی مفاد عامہ کے لئے جبراً خریدی جاتی ہیں) اور حکومت اس کی قیمت مالکان اراضی کو اپنے ضابطوں کے پیش نظر اپنی منشا کے مطابق ادا کرتی ہے۔ مالکان اراضی سرکاری حکم کے خلاف عدالتوں سے رجوع کرتے ہیں، عدالتیں عادلانہ قیمت کا تعین کرتی ہیں اور مالکان اراضی کو

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱/جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/دسمبر ۱۹۸۹ء۔

اکوزیشن کی تاریخ سے بذریعہ فیصلہ عدالت اس قیمت کے علاوہ اضافی رقم بھی سود کے نام سے دلاتی ہیں۔ سمینار کی رائے میں یہ اضافی رقم سود نہیں بلکہ قیمت کا جزء ہے جس کا لینا اور اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے۔

۵ — سرکاری بنکوں سے ملنے والے ترقیاتی قرضوں اور ان پر ادا کئے جانے والے سود کے مسئلہ پر ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں غور کر کے کسی فیصلہ تک پہونچنے کے لئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے علماء و متخصصین کی ایک کمیٹی کی تشکیل کی سفارش کرتا ہے جو مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر کسی نتیجہ پر پہنچے۔

اسلامی مالیاتی ادارہ ☆

اسلامی مالیاتی ادارہ کو ریزرو بینک کے حکم کی وجہ سے جبراً اپنے سرمایہ کا پانچ فیصد حصہ سرکاری تمسکات میں محفوظ کرنا پڑتا ہے، اس پر حکومت سود بھی دیتی ہے، تو شرکاء سمینار کے نزدیک یہ صورت درست ہے کہ اس محفوظ سرمایہ پر ملنے والے سود کو بتدریج محفوظ سرمایہ بنادیا جائے، اور اصل سرمایہ دھیرے دھیرے نکال لیا جائے۔

☆ چھٹا فقہی سمینار (عمر آباد) بتاریخ ۱۷ - ۲۰ / رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱ / دسمبر ۱۹۹۳ء - ۳ / جنوری ۱۹۹۴ء۔

اسلامی بینکاری ☆

دور حاضر کے مالیاتی اور اقتصادی نظام میں بینک ایک کلیدی حیثیت کا حامل ہے، فاضل سرمایہ کو جمع کر کے مختلف اقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کے ذریعہ سرمایہ بھی فراہم ہوتا ہے اور قومی پیداوار میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ مزید برآں بینکنگ ادارے متعدد ایسی خدمات بھی انجام دیتے ہیں جو تجارت، صنعت اور زراعت کے لئے ناگزیر ہیں۔ ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی معاشی جدوجہد اور سرمایہ کاری بھی اس امر کی محتاج ہے کہ وہ موجودہ بینکوں کی طرف رجوع کریں۔ مگر یہ پورا نظام بینکنگ سود کی بنیاد پر قائم ہے جسے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ سودی نظام غیر عادلانہ اساس پر قائم ہے۔ سود پر مبنی عقد سرمایہ دار کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں ایک متعین شرح پر منافع وصول کرے، جب کہ صاحب العمل (Entreneur) کا منافع اس کی اقتصادی جدوجہد کی کامیابی یا ناکامی پر منحصر ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ عقد فاسد ہے کیونکہ یہ ظلم پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ سود موجودہ زمانہ میں تفریق دولت اور ترکیز سرمایہ (Concentration of Wealth) کا مؤثر ترین ذریعہ بن گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں موجودہ معاشرہ میں قرض پر دیئے جانے والے سرمایہ (Loan Capital) کو جو تسلط اور قاہرانہ حیثیت حاصل ہوگئی ہے اس کا شعور تقریباً سارے ہی اصحاب فکر کو کسی نہ کسی درجہ میں حاصل ہوگیا ہے۔

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/دسمبر ۱۹۸۹ء۔

سود کے مفاسد کا یہ ایک مجمل بیان ہے، اس کے مضر اور ظالمانہ اثرات کا حصر یہاں ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت انسان کی معاشی جدوجہد کی اہمیت کی نہ صرف یہ کہ منکر نہیں ہے بلکہ وہ اس جدوجہد کو ابتغاء فضل اللہ قرار دیتی ہے۔ یہ شریعت انسانوں کے معاشرہ میں بالعموم اور معاشی جدوجہد کے میدان میں بالخصوص عدل ورحمت، دیانت اور امانت کی نہ صرف مقتضی ہے بلکہ وہ بھی ایسے احکام، اصول اور اقدار بھی فراہم کرتی ہے جن پر ایک صحت مند، عادلانہ اور مشفقانہ نظام معیشت قائم ہوتا ہے، سود کی حرمت فی الحقیقت اسی مقصد کے پیش نظر کی گئی ہے۔ اسلامی نظام معیشت ظالمانہ مقابلہ اور تنافس کے بدلے باہمی اخوت، عدل اور مساوات اور عام انسانوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤکی وسیع بنیادوں پر قائم ہے۔

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اپنی معاشی سرگرمیوں کو بھی انہی بنیادوں پر استوار کریں، تاکہ ایک طرف وہ اس نظام عدل ومساوات کے داعی بن سکیں اور دوسری طرف اپنی معاشی اور معاشرتی زندگی کو بہتر اور مضبوط بنیادوں پر قائم رکھ سکیں۔

غیر سودی بنیادوں پر بینکنگ کے نظام کے لئے شریعت حقہ نے جو اصول وضوابط عطا فرمائے ہیں وہ موجودہ دور کے مسائل کا بہتر حل پیش کرتے ہیں، بلکہ ہمیں یقین ہے کہ اپنی کارکردگی کے اعتبار سے وہ موجودہ طریق تنظیم سے بہتر ہیں۔ ان کے اختیار کرنے سے مسلمانوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہوگی اور ایسا عادلانہ معاشرہ قائم ہوگا جس کا ہمارا ملک بدرجہ اولیٰ محتاج ہے۔ یہ سمینار سمجھتا ہے کہ مضاربت (Equity Participation)، مشارکت (Partnership) اور مرابحہ (Mark up Pricing) جیسے اصولوں سے قابل عمل اور بہتر نظام بینکنگ قائم کیا جاسکتا ہے، ایسا نظام مالیات اور سرمایہ کاری جو ملک کے لئے ایک پیغام بھی ثابت ہو اور قابل عمل نمونہ بھی۔ البتہ اس سمینار کو اس بات کا مکمل شعور ہے کہ موجودہ عصر کے متعدد مسائل اور سرمایہ کاری کے متعدد وسائل اور معاملات کے پیش نظر ان اصولوں کے انطباق کے

لئے ہمیں انتھک جد وجہد کرنا ہوگی، اسلامی نظام بینکنگ کا خاکہ مرتب کرتے وقت مندرجہ ذیل اصولی ہدایات کوملحوظ رکھنا ہوگا:

۱ – اسلام سودی نظام تعاقد کی ہر شکل کو حرام قرار دیتا ہے۔

۲ – اسلام مالیاتی اور اقتصادی عقد میں جانبین کے لئے عدل کوضروری شرط قرار دیتا ہے، جس کا مقتضی یہ ہے کہ صاحب المال اور صاحب العمل دونوں کے ساتھ عدل ہو، صاحب المال منافع میں شریک ہواور سرمایہ کے نقصان کا مکمل ذمہ دارقرار دیا جائے، جب کہ صاحب العمل (مستقرض) نفع میں شریک ہواور بصورت نقصان وہ اپنی محنت کی اجرت سے محروم ہو۔

۳ – زرکو وسیلہ سمجھا جائے نہ کہ مطلوب بالذات، جس طرح بضائع ضروریہ اور عیش وراحت کے سامان ہوتے ہیں۔

۴ – سرمایہ کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھا جائے اور اس کے ذریعہ انسانوں کی حقیقی ضروریات اور ان کی مالی اور اقتصادی استعداد میں اضافہ کا ذریعہ بنایا جائے، برعکس موجودہ طریق تصرف کے، جہاں سرمایہ کوصاحب المال اور بینک اپنی ازدیاد دولت کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

۵ – سرمایہ کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ کمزور اور پسماندہ طبقات کی معاشی حالت میں بہتری ہواور نامنصفانہ تقسیم اورتفریق دولت میں کمی واقع ہو۔ اس اصول کے پیش نظر اسلامی بینکوں کوسرمایہ کی تقسیم اورفراہمی کرتے وقت ضروریات، تحسینیات اور کمالیات میں اول الذکر کو ترجیح دینا ہوگا، اورشرح منافع کے ساتھ اس امر کا بھی لحاظ کرنا ہوگا کہ ملت کے کمزور اورضعیف صاحبان استعداد کی ہمت افزائی کی جائے۔

۶ – ان تمام وسائل تمویل سے احتراز کرنا ہوگا جو اگر چہ عصر حاضر میں مروج ہیں لیکن خیانت، دھوکہ اور کتمان حقیقت کے شاہکار ہیں۔

۷ – ان اصولی ہدایات اور اسلامی نظام معیشت ومعاشرت کے عمومی مقاصد، اس کی اخلاقی روح، دیانت وصداقت کی عملی اقدار کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا تا کہ یہ کوشش محض ایک میکانکی مشن نہ بن جائے بلکہ حقیقی معنوں میں جاری نظام منافعت، لوٹ کھسوٹ، نفسانیت کی جگہ پر نظام رحمت اور باہمی خیر سگالی اور تعاون کا آئینہ دار ہو۔

اسی مقصد کے پیش نظر سمینار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ماہرین اور علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو شریعت کے مذکورہ اصول اور اس کی عمومی ہدایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہندوستان کے حالات اور مسلمانوں کے مسائل کے پیش نظر ایسا نظام مالیات تجویز کرے جو مسلمانوں کی امنگوں اور ان کی پسندیدہ اقدار کا آئینہ دار بھی ہو اور ان کے حقیقی معاشی مسائل کا حل بھی۔

غیر سودی امدادی سوسائٹیاں ☆

۱- ہندوستانی مسلمانوں کے اقتصادی اور معاشی حالات کے پیش نظر ایسے امدادی مالیاتی اداروں کا قیام ضروری اور مفید ہے جو عامۃ المسلمین سے بلا سود قرض حاصل کریں اور ضرورت مند مسلمانوں کو سود کی ادنیٰ آمیزش کے بغیر قرض فراہم کرسکیں۔

ایسے ادارے در اصل رفاہی اور فلاحی ادارے ہوتے ہیں جن کی بنیاد صلہ، احسان اور تعاون پر ہوتی ہے۔

۲- قرض خواہوں سے قرض میں دی گئی رقم سے زائد وصول کرنا، چاہے اس کا کوئی سا بھی طریقہ اختیار کر لیا جائے، ہرگز جائز نہیں، اور قرض سے زائد حاصل کی گئی رقم شرعاً سود ہے۔ لہٰذا ذاتی مفاد یا ادارے کے مفاد یا دیگر رفاہی اسکیموں پر خرچ کرنے کے لئے بھی قرض سے زائد کوئی رقم وصول کرنا جائز نہیں، نیز ان اداروں میں جمع شدہ رقوم کو فکسڈ ڈپازٹ میں رکھنا اور ان پر سود حاصل کرنا بھی حرام ہے۔

رہا یہ سوال کہ ایسے اداروں سے انتظامی مصارف کس طرح پورے کئے جائیں تو یہ ''فقہی سمینار'' اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقوں کو درست قرار دیتا ہے:

الف- ایسے مالیاتی اداروں کو کچھ اصحاب خیر ایک ملی ضرورت سمجھ کر محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنے خرچوں سے چلائیں، یعنی انتظامی اخراجات کا بار یہ اصحاب خیر برداشت

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱/ جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/ دسمبر ۱۹۸۹ء۔

کریں۔ اگر یہ ادارے مسلمانوں میں اپنا یہ اعتماد حاصل کرلیں کہ یہ خالص شرعی حدود میں عام مسلمانوں کی مالی امداد کے لئے اور ان کو سودی لین دین سے بچانے کے لئے کام کر رہے ہیں اور علماء کرام کی رہنمائی بھی ان کو حاصل ہے تو قوی امید ہے کہ اہل ثروت مسلمان ایسے اداروں کے انتظامی مصارف بلکہ ترقیاتی مصارف کے لئے بھی آگے بڑھیں گے۔

ب-سمینار کی رائے میں ایسے تمام امدادی مالی اداروں کو ہر طور پر یہ کوشش کرنی چاہئے کہ سرمایہ کا کچھ حصہ پیداواری ذرائع میں لگا کر جائز آمدنی حاصل کی جائے، اور کم از کم اتنی آمدنی ضرور حاصل کرلی جائے جس سے سوسائٹی کے انتظامی اخراجات پورے کئے جاسکیں۔

ج-سمینار کے شرکاء میں سے متعدد علماء کی رائے یہ ہے کہ اجر الخدمۃ (Service Charge) یا انتظامی اخراجات (Operational Expenses) اگر چہ وہ ضروری اور واقعی اخراجات تک محدود ہوں، قرض خواہوں سے نہیں لئے جاسکتے، بعض علماء کی رائے میں اگر چہ یہ اصلاً جائز ہیں لیکن سود کا دروازہ کھل جانے کا خطرہ ہے، اس لئے اسے قطعی طور پر ممنوع قرار دیا جانا چاہئے۔

دیگر علماء (شرکاءسمینار) کی رائے میں اس طرح کے اداروں کا قیام مفید اور ضروری ہے، اور اگر اصحاب خیر کی طرف سے تعاون یا پیداواری ذرائع میں سرمایہ لگا کر بقدر ضرورت جائز آمدنی حاصل کر کے بھی ادارہ چلانا ممکن نہیں ہو تو ادارے کے ضروری اور حقیقی انتظامی اخراجات قرض خواہوں سے وصول کئے جاسکتے ہیں کہ اس ادائیگی کا کوئی نفع نہ سرمایہ جمع کرنے والوں کو پہنچتا ہے اور نہ ادارہ کے لئے ذریعہ آمدنی ہے۔

ان علماء کی رائے میں ان واقعی اور ضروری اخراجات کے تعین میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اصلاً قرض کی جو روح شریعت کے پیش نظر ہے اس کے ساتھ قرض خواہوں سے ان اخراجات کا وصول کرنا میل نہیں کھاتا، لیکن ان اخراجات کے وصول کرنے کی اجازت ناگزیر

حالت کی وجہ سے دی جارہی ہے۔لہذا ان اخراجات کے تعین میں حددرجہ احتیاط برتی جائے۔

ضروری اور واقعی اخراجات محتاط انداز کے ساتھ متعین کئے جاسکتے ہیں لیکن اگر حسابی مدت کے پورا ہونے کے بعد یہ معلوم ہوکہ انتظامی اخراجات کی مد میں وصول کی گئی تخمینی رقم حقیقی اخراجات سے زائد ہوتو یہ زائد رقم قرض خواہوں کو وصول کئے گئے خرچ کے تناسب سے واپس کردینا واجب ہوگا۔

غیر سودی بینکنگ ☆

کمیٹی کی تفصیلی رپورٹ پیش ہوئی، اس رپورٹ کی تلخیص اردو زبان میں جناب عبدالحسیب صاحب سابق ڈائرکٹر ریزرو بینک آف انڈیا اور جناب محمد حسین کھٹکھٹے نے شرکاء سمینار کے سامنے پیش کی۔

اس رپورٹ میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ جب تک بینکنگ کے موجودہ قوانین میں ترمیم نہیں کی جاتی اور بینکوں کو تجارت اور صنعت میں براہ راست سرمایہ لگانے کی اجازت نہیں دی جاتی، موجودہ قانون کے تحت غیر سودی اسلامی بینک قائم نہیں کئے جاسکتے۔

رپورٹ میں متبادل کے طور پر ''انڈین کمپنیز ایکٹ'' اور ''کوآپریٹو کریڈٹ'' کے تحت اسلامی مالیاتی اداروں اور غیر سودی سوسائٹیز قائم کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ بعض خاص حالات میں پارٹنر شپ کی گنجائش بھی ہوسکتی ہے۔

رپورٹ کی روشنی میں مضاربت، شرکت، مرابحہ اور اجارہ جیسے اسلامی طریقہ تجارت کو نیز بینکس کی ان خدمات کو اختیار کئے جانے کی سفارش کی گئی ہے جو سود سے پاک ہیں، جنہیں (Non Banking Services) کہا جاتا ہے۔

اس رپورٹ میں ایک ایسے مرکزی ادارہ (وفاق) کے قائم کرنے کی سفارش بھی کی گئی ہے جو اس طرح کے قائم اسلامی مالیاتی اداروں کو کنٹرول کرے، ان کے استحکام اور قابل اعتماد ہونے کے سرٹیفکٹ جاری کرے، نیز اگر ایسے نئے مالی ادارے قائم کئے جانے کا منصوبہ ہو تو

☆ چوتھا فقہی سمینار (حیدرآباد) بتاریخ ۲۷ - ۳۰/محرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ - ۱۲/اگست ۱۹۹۱ء۔

پہلے ان کی صلاحیت کار اور قابل اعتماد ہونے کے سلسلے میں ضروری جائزہ لے اور انہیں اس سلسلے میں مفید مشورہ دے، اور ایک مالیاتی ادارہ کے منجمد سرمایہ کو دوسرے مالیاتی ادارہ کے ذریعہ مفید اور جائز کاروبار میں لگانے کا انتظام کرے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ مستند علماء پر مشتمل ایک ایسا بورڈ بھی تشکیل دیا جائے جو وقتاً فوقتاً ان اسلامی مالیاتی اداروں میں اختیار کئے گئے طریق تجارت پر غور کر کے شرعی حیثیت سے رہنمائی کرے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے چوتھے سمینار منعقدہ ۹ - ۱۲ ر اگست بہ احاطہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد، میں بینکنگ کمیٹی کی اس رپورٹ کی تحسین کی گئی، اور شریک علماء وفقہاء وماہرین کی آراء کو سننے کے بعد طے کیا گیا کہ:

۱ – یہ اجلاس اس رپورٹ کو "مجمع الفقہ الاسلامی" کی دستاویزات کے ساتھ ریکارڈ کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور بینکنگ کمیٹی کے ارکان کا اس جامع رپورٹ کے پیش کرنے پر شکریہ ادا کرتا ہے۔

۲ – یہ سمینار طے کرتا ہے کہ علماء کا ایک بورڈ مجمع الفقہ الاسلامی کے ذریعہ تشکیل دیا جائے جو ماہرین کی طرف سے اس طرح کے اسلامی مالیاتی اداروں میں روزمرہ پیش آنے والے سوالات اور عملی مشکلات جنہیں بینکنگ کے ماہرین کی طرف سے انہیں پیش کیا جائے، وہ ان پر شرعی رائے اور فتویٰ صادر کرے، نیز مذکورہ بالا رپورٹ میں اٹھائے گئے سوالات کا فقہ اسلامی کی روشنی میں جائزہ لے کر ان کا شرعی حل پیش کرے۔

۳ – سمینار یہ بھی طے کرتا ہے کہ بینکنگ اور اسلامی اقتصادیات کے ماہرین پر مشتمل ایک مستقل بورڈ تشکیل دیا جائے جو مسلسل اپنا کام جاری رکھے اور ایسے بہتر سے بہتر ممکن العمل مالیاتی اداروں کے قیام کے لئے نمونے تیار کرے جن کی بنیاد پر ایسے اداروں کا قیام عمل میں

آسکے جو مختلف مالی خدمات انجام دے سکیں، جن کی ضرورت مسلمانان ہند کو ہے، اور وہ شرعاً درست اور قانوناً قابل عمل ہوں۔

۴ – یہ بھی طے کیا گیا کہ علماء کے بورڈ میں ایک یا دو بینکنگ کے ماہرین، اور ماہرین کے بورڈ میں ایک یا دو علماء کو بھی رکھا جائے۔

بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ ☆

اس سمینار میں بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی کہ کس صورت میں سود پایا جاتا ہے اور کس صورت میں نہیں پایا جاتا؟ کیوں کہ اسلام میں غریبوں کا استحصال ہونے کی وجہ سے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اس پس منظر میں جو قرارداد یں منظور ہوئیں وہ اس طرح ہیں:

۱- چونکہ معاملات میں اصل اباحت ہے، اس لئے اے ٹی ایم کارڈ جس کے ذریعہ مشین سے اپنی جمع کردہ رقم نکالی جاتی ہے، کے استعمال میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

۲- ڈیبٹ کارڈ کا استعمال، اس کے ذریعہ خرید وفروخت اور ایک کھاتہ سے دوسرے کھاتہ میں رقم کی منتقلی درست اور جائز ہے۔

۳- اے ٹی ایم کارڈ اور ڈیبٹ کارڈ کے حصول اور استعمال کے لئے جو رقم ادا کی جاتی ہے وہ کارڈ کا معاوضہ اور سروس چارج ہے، اس لئے اس کا ادا کرنا جائز ہے۔

۴- کریڈٹ کارڈ کی مروج صورت چونکہ سودی معاملہ پر مشتمل ہے، لہذا کریڈٹ کارڈ یا اس قسم کے کسی کارڈ کا حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ پندرہواں فقہی سمینار (میسور) بتاریخ ۱۰-۱۲/صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۱-۱۳/مارچ ۲۰۰۶ء۔

نیٹ ورکنگ ☆

۱- ملٹی لیول مارکیٹنگ کی مروجہ شکلیں مختلف مفاسد کو شامل ہیں، اس میں دھوکہ، غرر، بیع کو ایک غیر متعلق چیز کے ساتھ مشروط کرنا، ایک معاملہ کو دو معاملوں سے مرکب بنا دینا اور شبہ قمار وغیرہ خلاف شرع باتیں پائی جاتی ہیں، اور خریداروں کا اصل مقصد سامان خرید کرنا نہیں ہوتا ہے، بلکہ غیر معمولی کمیشن حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لئے اس میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔

۲- چونکہ اس میں شرکت جائز نہیں ہے، اس لئے دوسروں کو اس میں شریک کرنا اور نیچے کے ممبروں کی وساطت سے کمیشن حاصل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

۳- مسلمانوں کو اس طرح کے تمام کاروبار سے بچنا چاہئے اور کسی بھی ایسی تجارت میں شامل نہیں ہونا چاہئے، جو اسلام کے مقرر کئے ہوئے اصول تجارت سے متصادم ہو۔

☆ سولہواں فقہی سمینار (اعظم گڈھ) بتاریخ ۱۰-۱۳/ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰/مارچ-۲/اپریل ۲۰۰۷ء۔

طبی مسائل

طبی اخلاقیات اور اطباء کے فرائض ☆

۱: الف- علاج کرنے کا حق اس شخص کو حاصل ہے جو فن کا علم رکھتا ہو اور تجربہ کار ہو، اور اس کے علم اور تجربہ کی کسی مستند ومعتبر ذریعہ نے تصدیق کی ہو، صحیح علم وتجربہ کے بغیر علاج معالجہ کرنا جائز نہیں۔

ب- جس شخص کو علاج معالجہ کی شرعاً اجازت نہیں ہے، اگر اس کے علاج کی وجہ سے مریض کو غیر معمولی ضرر لاحق ہوجائے تو ضمان عائد ہوگا۔

۲- اگر کسی مستند معالج نے علاج میں کوئی کوتاہی کی اور اس کی وجہ سے مریض کو ضرر پہنچ گیا تو معالج ضامن ہوگا۔

۳- اس طرح قدرت کے باوجود مریض یا اس کے اولیاء کی اجازت کے بغیر اگر ڈاکٹر مریض کا آپریشن کردے اور آپریشن مضر یا مہلک ثابت ہو تو ضمان لازم آئے گا۔

۴- اگر مریض بے ہوش ہے اور اس کے اولیاء وہاں موجود نہ ہوں اور ڈاکٹر یہ محسوس کرتا ہو کہ اس کی جان یا عضو کی حفاظت کے لئے فوری آپریشن ضروری ہے، اور اس نے اجازت کے بغیر آپریشن کردیا مگر مریض کو نقصان پہنچ گیا تو ڈاکٹر ضامن نہ ہوگا۔

۵- اگر کسی شخص کے رشتۂ نکاح کی بات چل رہی ہے اور وہ کسی مرض یا عیب میں مبتلا ہے جس پر مطلع ہونے کے بعد مخطوبہ عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی نہ ہوگی، ڈاکٹر کو اپنے

☆ آٹھواں فقہی سمینار (علی گڑھ) بتاریخ ۲۷-۲۹/جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۲-۲۴/اکتوبر ۱۹۹۵ء۔

مریض کے مرض یا عیب کا علم ہے، اس صورت میں اگر عورت یا اس کا ولی ڈاکٹر سے ملاقات کر کے مریض کے مرض یا عیب کے بارے میں رشتہ نکاح کے حوالہ سے مریض کی صحیح صورت حال معلوم کرنا چاہیں تو ڈاکٹر کے لئے ضروری ہے کہ صحیح صورت حال کی خبر دے دے، لیکن ڈاکٹر سے اگر اس بارے میں عورت یا اس کے اولیاء نے رابطہ قائم نہیں کیا تو اس کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ عورت یا اس کے اولیاء کو اس مرض یا عیب کی اطلاع دے۔

۶ - ڈرائیور کی بینائی کے متاثر ہونے کی صورت میں ڈاکٹر پر ضروری ہوگا کہ وہ متعلقہ محکمہ کو باخبر کردے، اسی طرح ہوائی جہاز کا پائلٹ یا ٹرین اور بس کا ڈرائیور اگر نشہ کا عادی ہو اور اس سے مسافروں کو خطرہ لاحق ہو تو ڈاکٹر پر لازم ہوگا کہ وہ متعلقہ محکمہ کو آگاہ کردے۔

۷ - اگر ڈاکٹر کو اپنے مریض کے جرم کی اطلاع ہو اور جرم میں کوئی بے گناہ شخص ماخوذ ہو رہا ہو تو اس بے گناہ شخص کی براءت کے لئے ڈاکٹر پر حقیقت حال کا اظہار ضروری ہے، رازداری سے کام لینا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔

ضبط ولادت ☆

۱- کوئی بھی ایسا عمل جس کا مقصد نسل انسانی کے سلسلے کو منقطع یا محدود کرنا ہو اسلام کے بنیادی تصورات کے خلاف اور ناجائز ہے۔

۲- بطور فیشن خاندان کو مختصر رکھنے یا تجارت وملازمت کی مشغولیتوں کے متاثر ہونے یا سماجی دلچسپیوں میں رکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ سے اولاد کی ذمہ داری سے انکار وگریز کو شرع اسلامی کسی حال میں قبول نہیں کرسکتی۔

۳- جو خواتین بلند معیار زندگی کے حصول یا زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی خاطر نوکریاں کرنا چاہتی ہیں اور اپنے مقصد تخلیق اور اس مقدس فریضے کو بھول جاتی ہیں جو قدرت نے نسل انسانی کی ماں کی حیثیت سے ان پر عائد کیا، ان مقاصد کی خاطر خاندان کو محدود کرنے کا تصور قطعاً غیر اسلامی ہے۔

۴- جو بچہ موجود ہے اس کی پرورش، رضاعت، اور نشو ونما میں اگر ماں کے جلد حاملہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں مناسب وقفہ قائم رکھنے کی خاطر عارضی مانع حمل تدابیر اختیار کرنا جائز ہے۔

۵- دائمی منع حمل کی تدابیر کا استعمال مردوں کے لئے کسی بھی حال میں درست نہیں ہے، عورتوں کے لئے بھی منع حمل کی مستقل تدابیر ممنوع ہیں، سوائے ایک صورت کے۔ وہ استثنائی صورت یہ ہے کہ ماہر قابل اعتماد اطباء کی رائے میں اگلا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں

☆ پہلا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۲۳-۲۵/شعبان ۱۴۰۹ھ مطابق ۱-۳/اپریل ۱۹۸۹ء۔

عورت کی جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہوجانے کا ظن غالب ہو، تو اس صورت میں عورت کا آپریشن کرادینا تا کہ استقرار حمل نہ ہوسکے جائز ہے۔

۶ – عارضی منع حمل کی تدابیر اور ادویہ کا استعمال بھی عام حالت میں جائز نہیں۔

۷ – چند استثنائی صورتوں میں عارضی منع حمل کی تدابیر و ادویہ کا استعمال مردوں اور عورتوں کے لئے درست ہے، مثلاً:

☆ عورت بہت کمزور ہے۔ ماہر اطباء کی رائے میں وہ حمل کی متحمل نہیں ہوسکتی اور حمل ہونے سے اسے شدید ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔

☆ ماہر اطباء کی رائے میں عورت کو ولادت کی صورت میں ناقابل برداشت تکلیفوں اور ضرر میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔

اعضاء کی پیوند کاری ☆

۱- کسی انسان کا کوئی عضو نا کارہ ہو چکا ہو اور اس عضو کے عمل کو آئندہ جاری رکھنے کے لئے کسی متبادل کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے:

الف- غیر حیوانی اجزاء کا استعمال۔

ب- ایسے جانوروں کے اعضاء کا استعمال جن کا کھانا شرعاً جائز ہے اور جو بطریقۂ شرعی ذبح کئے گئے ہوں۔

ج- جان کی ہلاکت یا عضو کے ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہو اور اس مطلوبہ عضو کا بدل صرف ایسے جانوروں میں ہی مل سکتا ہے جن کا کھانا حرام ہے، یا حلال تو ہے لیکن بطریق شرعی ذبح نہیں کئے گئے ہیں، تو ایسی صورت میں ان غیر ماکول اللحم یا ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانوروں کے اعضاء کا استعمال جائز ہے۔

اور اگر جان یا عضو کی ہلاکت کا شدید خطرہ نہ ہو تو خنزیر کے اجزاء کا استعمال جائز نہیں۔

۲- اسی طرح ایک انسان کے جسم کا ایک حصہ اسی انسان کے جسم میں بوقت حاجت استعمال کیا جانا جائز ہے۔

۳- اعضاء انسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

۴- اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱/ جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/ دسمبر ۱۹۸۹ء۔

ہوکر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کی کو پورا نہیں کرسکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوند کاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوند کاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لئے فراہم ہے، تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوند کاری کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہوگا۔

۵ - اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔

۶ - اگر کسی شخص نے ہدایت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضاء پیوند کاری کے لئے استعمال کئے جائیں، جسے عرف عام میں وصیت کہا جاتا ہے، ازروئے شرع اسے اصطلاحی طور پر وصیت نہیں کہا جاسکتا اور ایسی وصیت اور خواہش شرعاً قابل اعتبار نہیں۔

(نوٹ: مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کو دفعہ ۴، ۵ سے اتفاق نہیں ہے)۔

ایڈز ☆

۱- اگر کوئی مرد ایڈز کا مریض ہو، مگر اس نے اپنا مرض ظاہر کئے بغیر کسی خاتون سے نکاح کرلیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

اور اگر نکاح کے بعد مرد اس بیماری میں مبتلا ہوجائے اور خطرناک حد تک پہنچ جائے تو خاتون کے لئے فسخ نکاح کا حق ہوگا۔

۲- ایڈز کی مریضہ اگر حاملہ ہوجائے اور مستند ڈاکٹروں کی رائے میں غالب گمان یہ ہے کہ بچہ بھی اس مرض سے متاثر ہوگا، تو ایسی صورت میں حمل میں جان آنے سے پہلے جس کی مدت فقہاء نے ۱۲۰ دن لکھی ہے، اسقاط کرانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۳- ایڈز کے مریض کو اگر مرض نے پورے طور پر اپنی گرفت میں لے لیا ہو اور وہ زندگی کے معمولات کو ادا کرنے سے معذور ہوگیا ہو تو ایسے شخص کو مرض موت کا مریض سمجھا جائے گا۔

۴- ایڈز کے مریض کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں یا متعلقین کو اس مرض سے مطلع کردے اور خود بھی احتیاطی تدابیر ملحوظ رکھے۔

۵- ایڈز کا مریض اگر اپنے مرض کو چھپانے پر ڈاکٹر سے اصرار کررہا ہے اور ڈاکٹر کی رائے میں اس کے مرض کو راز میں رکھنے سے اس کے اہل خانہ، متعلقین اور سماج کو ضرر لاحق

☆ آٹھواں فقہی سمینار (علی گڑھ) بتاریخ ۲۷-۲۹ر جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۲-۲۴ر اکتوبر ۱۹۹۵ء۔

ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو ڈاکٹر کی ذمہ داری ہے کہ محکمہ صحت اور متعلقہ حضرات کو اس کی اطلاع کردے۔

۶ – ایڈز اور دوسرے متعدی امراض میں مبتلا افراد کے بارے میں ان کے اہل خانہ، متعلقین اور سماج کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کو تنہا اور بے سہارا نہ چھوڑیں، طبی احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی پوری نگہداشت کریں اور انہیں علاج معالجہ اور احتیاطی تدابیر فراہم کرنے میں پورا تعاون کریں۔

۷ – ایڈز زدہ بچے بچیوں کو تعلیم سے محروم کرنا درست نہیں ہے، ضروری احتیاطی طبی تدابیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی تعلیم وتربیت کا نظم کیا جائے۔

۸ – طاعون زدہ علاقہ میں آمد ورفت پر پابندی مستحسن چیز ہے، البتہ ضرورت ومجبوری کے حالات مذکورہ پابندی سے مستثنیٰ ہیں۔

۹ – ایڈز کے مرض میں مبتلا شخص کا اپنے مرض کی نوعیت سے واقف ہونے کے باوجود اس مرض کو کسی بھی صحت مند انسان کی طرف عمداً منتقل کرنا حرام ہے اور ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے، اس طرح کے عمل کا مرتکب اس عمل کی نوعیت اور اس کے فردیا معاشرے پر بُرے اثرات پڑنے کے اعتبار سے سزا کا مستحق ہے۔

کلوننگ ☆

۱–کلوننگ کے سلسلہ میں جو تفصیلات اور صورتیں اب تک سامنے آئی ہیں، اور ان کی وجہ سے جن اخلاقی اور سماجی نقصانات کا خطرہ ہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی بھی طریقہ پر انسانی کلوننگ حرام ہے۔

۲– نباتات وحیوانات میں ایسی کلوننگ جو انسانی مفاد میں ہو اور جو انسان کے لئے دینی اخلاقی اور جسمانی اعتبار سے مضرت رساں نہ ہو، جائز ہے۔

۳– اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سمینار حکومت ہند سے اپیل کرتا ہے کہ ایسے قوانین وضع کئے جائیں جن کی رو سے ملکی یا غیر ملکی تحقیقاتی ادارے یا تجارتی کمپنیاں ہمارے ملک کو انسانی کلوننگ کی تجربہ گاہ نہ بنائیں۔

☆ دسواں فقہی سمینار (بمبئی) بتاریخ ۲۱ – ۲۴/جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴ – ۲۷/اکتوبر ۱۹۹۷ء۔

جلاٹین ☆

۱- جلاٹین ایک نامیاتی (Organic) مرکب ہے، جو ایک قسم کا پروٹین ہے۔ یہ جانوروں کی کھال اور ہڈیوں میں موجود ایک دیگر قسم کے پروٹین کولاجن (Collagen) سے کیمیائی تبدیلیوں کے بعد بنایا جاتا ہے۔ جو کیمیائی اور طبعی طور سے کولاجن سے یکسر مختلف ایک نئی قسم کے پروٹین کی شکل اختیار کرلیتا ہے، اور اپنی رنگت، بو، ذائقہ اور کاصیات میں بھی کولاجن سے جدا ہوتا ہے۔

۲- شریعت نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے اگر ان کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہوجائے تو ان کا سابق حکم باقی نہیں رہتا ہے۔ کسی شی کے وہ خصوصی اور بنیادی اوصاف جن سے اس شی کی شناخت ہوتی ہے، وہی اس شی کی حقیقت وماہیت ہیں۔ اکیڈمی کے سامنے فنی ماہرین کے ذریعہ جو تحقیق سامنے آئی ہے، اس کے مطابق جلاٹین میں ان جانوروں کی کھالوں اور ہڈیوں کی حقیقت باقی نہیں رہتی ہے جن کے کولاجن سے جلاٹین بنایا جاتا ہے۔ بلکہ وہ ایک نئی حقیقت کے ساتھ نئی چیز ہوجاتی ہے۔ اس لئے اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ ماہرین کی رائے میں اختلاف کے پیش نظر شرکاء سمینار میں سے مولانا بدر الحسن قاسمی نے حرام جانوروں کے اجزاء جسم سے حاصل شدہ جلاٹین کے استعمال سے گریز کرنے کو ترجیح دی۔

۳- فقہاء کے اختلاف اور غذائی اشیاء کی اہمیت ونزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے سمینار مسلمان صنعت کاروں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حلال جانور اور اس کے حلال اور پاک اجزاء سے جلاٹین تیار کریں، تاکہ اس کے حلال وپاک ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔

☆ چودھواں فقہی سمینار (حیدرآباد) بتاریخ ۱-۳/جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰-۲۲/جون ۲۰۰۴ء

الکحل ☆

۱- الکحل ایک کیمیائی مادہ ہے، جو مختلف پھلوں اور اناج کے نشاستہ (Carbohydrate) یا شکر سے بنایا جاتا ہے، اس کی بہت ساری قسمیں ہیں جن میں صرف ایک قسم نشہ آور ہے۔

۲- بعض دواؤں میں ایتھائیل الکحل (Ethyl Alcohol) کا استعمال ہوتا ہے، یہ الکحل نشہ آور ہے، اور دوا میں شامل ہونے کے بعد بھی اس کی حقیقت نہیں بدلتی لیکن علاج ومعالجہ کے باب میں شریعت نے جو سہولت روا رکھی ہے اس کے تحت مجبوراً الکحل آمیز ادویہ کا استعمال درست ہے۔

۳- عطریات میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے، فنی ماہرین کی تحقیق واطلاع کے مطابق وہ نشہ آور نہیں ہے۔ اس لئے یہ ناپاک نہیں ہے۔

☆ چودہواں فقہی سمینار (حیدرآباد) بتاریخ ۱-۳/جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰-۲۲/جون ۲۰۰۴ء۔

میڈیکل انشورنس ☆

شریعت اسلامی میں جوئے کی کوئی بھی شکل جائز نہیں۔ اس وقت میڈیکل انشورنس کی جوصورت رائج ہے وہ اپنے نتیجہ کے اعتبار سے جوا میں شامل ہے اور اس نے علاج کو خدمت کے بجائے نفع آور تجارت بنادیا ہے۔ اس پس منظر میں سمینار نے میڈیکل انشورنس کے بارے میں درج ذیل فیصلے کئے ہیں:

۱- میڈیکل انشورنس، انشورنس کے دوسرے تمام شعبوں کی طرح بلاشبہ مختلف قسم کے ناجائز امور پر مشتمل ہے، لہٰذا عام حالات میں میڈیکل انشورنس ناجائز ہے اور اس حکم میں سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲- اگر قانونی مجبوری کے تحت میڈیکل انشورنس لازمی ہو تو اس کی گنجائش ہے، لیکن جمع کردہ رقم سے زائد جو علاج میں خرچ ہو، صاحب استطاعت کے لئے اس کے بقدر بلانیت ثواب صدقہ کرنا واجب ہے۔

۳- موجودہ مروج انشورنس کا متبادل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ممکن ہے اور آسان صورت یہ ہے کہ مسلمان ایسے ادارے ونظام قائم کریں، جن کا مقصد علاج ومعالجہ کے ضرورت مندوں کی ان کی ضرورت کے مطابق مدد کرنا ہو۔

☆ پندرہواں فقہی سمینار (میسور) بتاریخ ۱۰-۱۲/صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۱-۱۳/مارچ ۲۰۰۶ء۔

جنیٹک ٹسٹ ☆

موجودہ سائنسی ترقی نے انسانیت کو بہت سے فائدے پہنچائے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانی نقطۂ نظر سے اس میں بعض منفی پہلو بھی موجود ہیں، اسی سلسلے کی ایک کڑی جنیٹک سائنس اور DNA ٹسٹ ہے، چنانچہ جنیٹک سائنس کے سلسلے میں جو تجویزیں پاس ہوئیں، وہ اس طرح ہیں:

۱- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ ثابت ہوجائے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ ایسا ناقص العقل اور ناقص الاعضاء ہے جو نا قابل علاج ہے اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور گھر والوں کے لئے تکلیف دہ رہے گی، تو ایسی صورت میں حمل پر ایک سو بیس دن گذرنے سے پہلے پہلے والدین کے لئے اس کا اسقاط جائز ہے۔

۲- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی شخص کی اگلی نسل میں پیدائشی خرابی کے امکانات ہیں، تو اس اندیشہ کے پیش نظر سلسلہ تولید کو روکنا قطعاً ناجائز ہے۔

۳- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ کسی شخص کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ آئندہ جنون یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہوسکتا ہے جو شرعاً فسخ نکاح کا سبب ہے تو فسخ نکاح کے لئے محض یہ ٹسٹ کافی نہیں ہوگا۔

۴- علاج کی غرض سے امراض کی شناخت اور تحقیق کے لئے جنیٹک ٹسٹ کرانا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

☆ پندرہواں فقہی سمینار (میسور) بتاریخ ۱۰-۱۲/صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۱-۱۳/مارچ ۲۰۰۶ء۔

ڈی این اے ٹسٹ ☆

ڈی این اے (DNA) ٹسٹ کے سلسلے میں سمینار نے حسب ذیل فیصلے کئے ہیں:

۱- جس بچے کا نسب شرعی اصول کے مطابق ثابت ہو اس کے بارے میں ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ اشتباہ پیدا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

۲- اگر کسی بچہ کے بارے میں چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ متعین کیا جا سکتا ہے۔

۳- جو جرائم موجب حد وقصاص ہیں ان کے ثبوت کے لئے منصوص طریقوں کے بجائے ڈی این اے ٹسٹ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۴- حدود وقصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کی تفتیش میں ڈی این اے ٹسٹ سے مدد لی جا سکتی ہے اور قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔

☆ پندرہواں فقہی سمینار (میسور) بتاریخ ۱۰-۱۲/صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۱-۱۳/مارچ ۲۰۰۶ء۔

موت کی حقیقت اور مصنوعی آلۂ تنفس ☆

۱- جب سانس کی آمد و رفت پوری طرح رک جائے اور موت کی علامات ظاہر ہوجائیں تب ہی موت کے واقع ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور اسی وقت سے موت سے متعلق وصیت کا نفاذ، میراث کا اجراء اور عدت کا آغاز وغیرہ احکام جاری ہوں گے۔

۲- اگر مریض مصنوعی آلۂ تنفس پر ہو، لیکن ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوس نہ ہوئے ہوں اور امید ہو کہ فطری طور پر تنفس کا نظام بحال ہوجائے گا تو مریض کے ورثہ کے لئے اسی وقت مشین کا ہٹانا درست ہوگا جب کہ مریض کی املاک سے اس علاج کو جاری رکھنا ممکن نہ ہو، نہ ورثہ ان اخراجات کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور نہ اس علاج کو جاری رکھنے کے لئے کوئی اور ذریعہ میسر ہو۔

۳- اگر مریض آلۂ تنفس پر ہو اور ڈاکٹروں نے مریض کی زندگی اور فطری طور پر نظام تنفس کی بحالی سے مایوسی ظاہر کردی ہو تو ورثہ کے لئے جائز ہوگا کہ مصنوعی آلۂ تنفس علاحدہ کردیں۔

☆ سولہواں فقہی سمینار (اعظم گڈھ) بتاریخ ۱۰-۱۳/ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰/مارچ-۲/اپریل ۲۰۰۷ء۔

یوتھینیزیا کا حکم ☆

شریعت اسلامی میں انسانی جان کی بڑی اہمیت ہے اور حتی المقدور اس کی حفاظت خود اس شخص کا اور دوسروں کا فریضہ ہے، اس لئے:

۱- کسی مریض کو شدید تکلیف سے بچانے یا اس کے متعلقین کو علاج اور تیمارداری کی زحمت سے نجات دلانے کے لئے عمداً ایسی تدبیر کرنا کہ جس سے اس کی موت واقع ہوجائے حرام ہے اور یہ قتل نفس کے حکم میں ہے۔

۲- ایسے مریض کو کو مہلک دوا نہ دی جائے مگر قدرت کے باوجود اس کا علاج ترک کردیا جائے تا کہ جلد سے جلد اس کی موت واقع ہوجائے، یہ بھی جائز نہیں ہے۔

☆ سولہواں فقہی سمینار (اعظم گڈھ) بتاریخ ۱۰-۱۳/ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰/مارچ-۲/اپریل ۲۰۰۷ء۔

جدید آلات وذرائع

انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال ☆

اس موضوع پر گفتگو اور بحث وتمحیص کے بعد باتفاق شرکاء سمینار درج ذیل فیصلے کئے گئے:

۱- اسلام کی نشر واشاعت اور اس کی حفاظت وبقا کے لئے ہر ممکن جد وجہد وسعی امت مسلمہ کا اہم فریضہ ہے۔

۲- ’’وَأَعِدُّوا لَهُم مَا اسْتَطَعْتُم مِنْ قُوَّةٍ‘‘ کے مطابق اس فریضہ کی انجام دہی کے لئے جدید وقدیم ہر ممکن جائز ذریعہ ووسیلہ کا استعمال کرنا درست ہے، بلکہ ضرورت وحالات کے مطابق مفید وموثر وسیلہ کا استعمال کرنا ضروری ہے۔

۳- ابلاغ وترسیل کے جدید ذرائع میں ریڈیو کا استعمال دینی مقاصد کے لئے کوئی قباحت نہیں رکھتا، خواہ یہ استعمال اس کے پروگرام سے استفادہ کی صورت میں ہو، یا پروگرام میں عملاً شرکت کرکے ہو، یا یہ کہ خود اپنا ریڈیو اسٹیشن قائم کرکے۔

۴- بنیادی طور پر انٹرنیٹ آج کے زمانے کا سب سے اہم ذریعہ ابلاغ ہے، اس کی حیثیت اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لئے ایک ذریعہ اور وسیلہ کی ہے، اور ذرائع کا حکم شرعی متعین کرتے وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ ان ذرائع کا استعمال کن مقاصد کے لئے ہورہا ہے، ذرائع ووسائل کا استعمال جائز مقاصد کے لئے شرعاً جائز اور ناجائز مقاصد کے لئے ناجائز ہے، پھر ان کا شرعی حکم اس طرح متعین ہوگا کہ ان مقاصد کا حصول فرض وواجب ہے یا مستحب ہے یا

☆ بارہواں فقہی سمینار (بستی) بتاریخ ۵-۸/ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱-۱۴/فروری ۲۰۰۰ء۔

مباح ہے۔ اور ان وسائل کا استعمال مکمل طور پر ان مقاصد کے حصول کے لئے جس حد تک ضروری ہو اسی کے بقدر ان وسائل کا استعمال فرض یا مستحب یا جائز ہوگا۔

ان اصولوں کی روشنی میں شرکاء سمینار کی رائے ہے کہ انٹرنیٹ کا استعمال ایک شرعی، دینی، دعوتی، اجتماعی فلاح کے ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت سے جائز اور بعض دفعہ ضروری ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ عرض اور پیشکش کے طریقے میں منکرات اور محرمات شرعیہ سے بچا جائے۔

۵ - ٹیلی ویژن ایک ایسا ذریعہ ابلاغ ہے جس کے ذریعہ نہ صرف آواز بلکہ بولنے والوں کی صورتیں بھی سامعین وناظرین کے سامنے پیش ہوجاتی ہیں، کبھی نقل نشر مباشر (براہ راست) کے ذریعہ چلتی پھرتی صورتیں منتقل کی جاتی ہیں، اور کبھی کسی مجلس، کسی عمل، کسی کھیل یا کسی تقریب کو ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کرلیا جاتا ہے اور بعد میں اس کو نشر کیا جاتا ہے۔

ٹیلی ویژن کے مسئلہ میں ایک دشواری تو یہ ہے کہ اس میں جو صورتیں ناظرین تک منتقل ہوتی ہیں آیا وہ اس تصویر کشی کا محل اور مورد ہیں جن کے ممنوع ہونے کی صراحت حدیث نبوی میں آئی ہے یا نہیں؟ عام طور پر علماء ہند اس طرح کے عکس ریز کیمروں سے لی گئی تصویر کو بھی اس تصویر کشی کا حصہ مانتے ہیں۔ ممالک عربیہ کے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ فوٹو گرافی ممنوع تصویر سازی کا محل نہیں۔

ٹیلی ویژن کے ساتھ دوسری دشواری اس کے استعمال کی ہے، تفریحات (Entertainment)، تجارتی اشتہارات کے ذریعہ عورتوں کی عریاں تصویروں کی اشاعت، بے حیائی فحاشی کو عام کرنا، ایسی فحش فلموں کا نشر کیا جانا جس کو باپ بیٹا، ماں بیٹی ایک ساتھ دیکھ نہیں سکتے، پھر بچوں کو اس طرح اپنے سحر میں گرفتار کرلینا کہ ان کی تعلیمی دلچسپی ختم ہوجائے۔ یہ وہ برائیاں ہیں جن کی وجہ سے ٹیلی ویژن موجودہ سماج کے لئے ایک بڑا ناسور بن گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ کچھ مفید کام لئے جاسکتے ہیں اور لئے جاتے ہیں، لیکن معاشرے کو پہونچنے والا ضرر اس سے حاصل ہونے والے نفع سے کہیں زائد ہے "و إثمهما أكبر من نفعهما"۔

ان حالات میں شرکاء سمینار ٹیلی ویژن کے استعمال اور اس کے ذریعہ ان منکرات وفواحش کی اشاعت کو ناجائز اور معاشرے کے لئے تباہی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے اس سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔

۶- ایک اہم سوال ان چینلس کے حکم شرعی کا ہے جو خالص دینی ودعوتی مقاصد کے لئے قائم کئے گئے ہیں اور قائم کئے جارہے ہیں اور ہر طرح کی فحاشی، عریانی سے پاک اور خالی ہیں، کیا ایسے چینلس (Channels) کا قائم کرنا اور ان سے استفادہ کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

تمام شرکاء سمینار اس کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض حضرات ان حالات میں بھی اجازت نہیں دیتے جن کے نام حسب ذیل ہیں:

۱- مولانا عبداللطیف پالنپوری صاحب	۲- مولانا عبدالقیوم پالنپوری صاحب
۳- مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری صاحب	۴- مولانا محمد حمزہ گورکھپوری صاحب
۵- مولانا مفتی محمد زید صاحب	۶- مولانا زبیر احمد صاحب مظاہر علوم

مولانا برہان الدین سنبھلی اور مولانا ارشد قاسمی کی رائے یہ ہے اگر براہ راست نشر (Live) ہو تو جائز ہوگا، اور اگر محفوظ کیا ہوا پروگرام (Recorded Programme) نشر کیا جائے تو جائز نہیں ہوگا۔

ذبح کے مسائل ☆

محور اول

۱ – ذبح لغت میں چیرنے پھاڑنے کو، اور شرع میں قابو یافتہ جانور کے غذا و سانس کی نالیاں اور دونوں شہ رگ یا ان میں سے اکثر کے کاٹنے، اور غیر قابو یافتہ جانور کے بدن کے کسی بھی حصہ کو زخمی کرنے کو کہتے ہیں۔

۲ – ذبح کی دو قسمیں ہیں: ذبح اختیاری اور ذبح غیر اختیاری۔

ذبح اختیاری میں جانوروں کی چاروں رگیں (حلقوم، مریٔ، ودجین) یا ان میں سے اکثر کاٹ دی جاتی ہیں، اور یہ ان جانوروں میں ہوتا ہے جو عمل ذبح کو انجام دیتے وقت ذابح کے قابو میں ہوں، پالتو جانوروں میں عام طور پر ذبح اختیاری ہوتی ہے، سوائے اس کے کہ جانور قابو سے باہر ہو جائے۔

ذبح غیر اختیاری جانور کے بدن کے کسی بھی حصہ کو زخمی کر کے خون بہا دینے کو کہتے ہیں۔ ذبح غیر اختیاری ان جانوروں میں ہوتا ہے جو عمل ذبح کو انجام دیتے وقت ذابح کے قابو میں نہ ہوں۔ غیر پالتو (شکاری) جانوروں میں ذبح غیر اختیاری ہوتا ہے، الا یہ کہ ایسے جانور کو پال لیا جائے یا وہ کسی اور طریقہ سے زندہ حالت میں قابو میں آ جائے۔

☆ ساتواں فقہی سیمینار (گجرات) بتاریخ ۲۶ – ۲۹/رجب ۱۴۱۵ھ مطابق ۳۰/دسمبر ۱۹۹۴ء – ۲/جنوری ۱۹۹۵ء۔

۳- ذبح اختیاری اور غیر اختیاری کے مشترکہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱- ذابح کا مسلمان یا کتابی ہونا۔

۲- ذابح کا عاقل ہونا۔

۳- بوقت ذبح اللہ کا نام لینا۔

۴- اللہ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام شامل نہ کرنا۔

۵- بوقت ذبح جانور کا زندہ رہنا۔

۶- جانور کی موت ذبح کی وجہ سے ہونا۔

۷- آلہ کا تیز دھاردار کاٹنے والا ہونا۔

ذبح اختیاری کے مخصوص شرائط:

۱- متعین مذبوح پر تسمیہ پایا جانا۔
۲- متعین رگوں کا کاٹنا۔
۳- تسمیہ اور عمل ذبح میں زیادہ فاصلہ نہ ہونا۔

ذبح غیر اختیاری کے مخصوص شرائط:

۱- شکاری حالت احرام میں نہ ہو۔
۲- جانور حرم کا شکار نہ ہو۔
۳- شکار کرنے والا جانور یا پرندہ تربیت یافتہ ہو۔
۴- شکار اگر شکاری جانور کے ذریعہ ہو تو اس کو شکار کے لئے چھوڑتے وقت اور اگر تیر و نیزہ وغیرہ سے کیا جائے تو اس کو پھینکتے وقت تسمیہ کہا گیا ہو۔
۴- ذبح اختیاری اور غیر اختیاری دونوں کے مواقع علیحدہ علیحدہ ہیں، جب ذبح

اختیاری ناممکن ہو اسی وقت ذبح غیر اختیاری کی اجازت ہوتی ہے، لہذا اختیاری کی جگہ غیر اختیاری کی گنجائش بالاتفاق نہیں ہے۔

محور دوم

۱- ذبح کرنے والے کے لئے شریعت میں جس اہلیت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ذبح کرنے والا عاقل ہو، بالغ ہو، یا اگر نابالغ ہو تو باشعور ہو، اور مسلمان ہو یا کتابی ہو۔

۲- کتابی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہو جس کی تصدیق قرآن نے کی ہو، آج کے دور میں یہود ونصاریٰ کتابی ہیں۔

۳- آج کے زمانہ میں جو لوگ اپنے کو عیسائی یا یہودی کہتے ہیں انہیں کتابی تصور کیا جائے گا اور ان کا ذبیحہ حلال ہوگا، اِلا یہ کہ ان کا ملحد، منکر خدا ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے۔

۴- قادیانی کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، چاہے وہ اپنے کو احمدی کہے یا لاہوری۔

۵- واضح رہے کہ ذبح کی شرعی حقیقت کا پایا جانا ضروری ہے، چاہے ذابح مسلم ہو یا کتابی، اس لئے وہ تمام صورتیں جن میں براہ راست یا کسی مشین کے ذریعہ کسی جانور کو اس طرح ہلاک کیا جائے کہ اسے شرعاً ذبح نہیں قرار دیا جا سکتا تو وہ ہلاک شدہ جانور ذبیحہ نہیں کہا جائے گا اور حلال نہیں ہوگا، مثلاً گولی مار کر ہلاک کر دینا، یا بجلی کی لہروں کے ذریعہ ذبح کی جگہ کو جلا دینا، یا جسم کے کسی اور حصہ کو زخمی کر کے خون نکال دینا، یا اس جیسی دوسری صورتیں۔

محور سوم

۱- از روئے شرع اسلام ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جانا چاہئے، اور غیر اللہ کے نام پر

اگر کوئی جانور ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں رہتا۔

اگر کوئی جانور ذبح کیا جائے اور اس پر بسم اللہ نہیں کہی گئی تو ایسا یا تو بھول کر ہوا ہوگا یا قصداً بسم اللہ ترک کی گئی ہوگی، اگر بسم اللہ بھول کر چھوڑی گئی تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا، اور اگر بسم اللہ قصداً چھوڑی گئی تو جمہور فقہاء کے مسلک کے پیشِ نظر وہ ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر بطورِ استخفاف بسم اللہ نہیں پڑھی جائے تو ذبیحہ حلال نہیں ہوتا، لیکن اگر مقصود استخفاف نہ ہو مگر جان بوجھ کر کوئی شخص بسم اللہ نہ کہے تو چونکہ بسم اللہ کہنا ان کے نزدیک سنت ہے، ایسا ذبیحہ حلال ہوگا۔

واضح رہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک بسم اللہ کہنا واجب ہے اور سیدنا امام شافعیؒ کے نزدیک مسنون ہے، بہرحال تسمیہ واجب ہو یا مسنون، ہر مسلمان سے یہی امید کی جاتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر بغیر اللہ کا نام لئے ذبح نہیں کرتا۔ لہٰذا ذبیحہ کسی بھی مسلمان کا ہو اس کے بارے میں ہم اس تحقیق کے مکلف نہیں ہیں کہ آیا اس پر قصداً بسم اللہ چھوڑی گئی ہے، اس لئے ہر مسلمان کے ذبیحہ کو حلال تصور کرنا چاہئے۔

۲- واضح رہے کہ بسم اللہ کہنا عمل ذبح پر واجب ہے، اس لئے اگر عمل ذبح متعدد ہوگا تو بسم اللہ بھی متعدد ہوگا، اور اگر عمل ذبح ایک ہوگا تو بسم اللہ بھی ایک بار کہنا کافی ہوگا۔

مثلاً ایک جانور کو بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا گیا لیکن عمل ذبح مکمل ہونے سے پہلے وہ بھاگ کھڑا ہوا، اب اگر دوبارہ اسے ذبح کیا جائے گا تو دوبارہ بسم اللہ کہنی ہوگی۔

اور اگر ایک ہی بار چھری چلائی جائے اور اس ایک عمل ذبح سے بیک وقت کئی جانور ذبح ہو جائیں تو ایک بار کہی ہوئی بسم اللہ کافی ہوگی۔

واضح رہے کہ ذبح اختیاری میں ہر بار ذبح اور بسم اللہ کہتے وقت ذبیحہ کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ ایک یا زائد جن جانوروں کی نیت کر کے بسم اللہ کہی گئی ہے ان کی

جگہ دوسرے جانور ذبح ہوں گے تو وہ حلال نہیں ہوں گے۔

۳- بعض اوقات جانور ذبح کرتے ہوئے ایک سے زائد افراد ذبح کے عمل میں شریک ہوتے ہیں، مثلاً چھری کے قبضہ پر دو آدمیوں کا ہاتھ ہو یا ایک کمزور شخص کے ہاتھ کے اوپر دوسرے شخص کا ہاتھ ہو، تو ایسی صورت میں دونوں ہی افراد کو بسم اللہ کہنی ہوگی، جانور کا ہاتھ پیر وسر پکڑنا ذبح کرنے میں شرکت نہیں ہوگی۔

محور چہارم

۱- آج یہ طریقہ رواج پارہا ہے کہ جانوروں کو ذبح کرنے سے پہلے بجلی یا کسی اور ذریعہ سے بے ہوش کیا جاتا ہے اور اسے جانوروں کے لئے الم اور تکلیف کم کرنے کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ سمینار کو اس نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں ہے، اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ بغیر بے ہوش کئے عمل ذبح پورا کیا جائے۔

لیکن اگر کہیں یہ عمل رائج ہو اور جانور کو بے ہوش کر کے ہی ذبح کیا جاتا ہو، اور اس کا اطمینان ہو کہ الیکٹرک شاک یا دوسرے بے ہوشی کے ذرائع کے استعمال کی وجہ سے جانور محض وقتی طور پر بے ہوش ہوا ہے، مرا نہیں ہے، اور اس کا اطمینان ہو کہ پوری احتیاط کے ساتھ الیکٹرک وائیج اس طرح ایڈجسٹ کیا جاتا ہے کہ اس سے صرف بے ہوشی عمل میں آتی ہے، تو ایسے بے ہوش جانور کو اگر ذبح کیا جائے تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

مشینی ذبیحہ ☆

مشینی ذبیحہ کے مسئلہ پر اسلامک فقہ اکیڈمی کے ساتویں سمینار منعقدہ بھروچ میں بحث کی گئی تھی اور اس کی بعض صورتوں کے جواز اور بعض صورتوں کے ناجائز ہونے پر اتفاق ہوگیا تھا۔ ایک صورت کی بابت علماء ومفتیان کرام کی رائیں مختلف تھیں، اور سمینار کا احساس تھا کہ اس مسئلہ پر دوبارہ غور کیا جائے اور مجوزین ومانعین کے دلائل کا خلاصہ دوبارہ مندوبین کی خدمت میں بھیجا جائے تاکہ وہ پھر غور کر کے مسئلہ پر رائے دے سکیں۔ چنانچہ اکیڈمی نے دوبارہ اسی سلسلہ میں **مفصل** سوالنامہ بھیجا اور اس پر جو جوابات آئے ان کی روشنی میں درج ذیل امور طے پائے:

۱– اگر جانور بجلی کے ذریعہ چلنے والی زنجیر یا پٹہ سے لنک کے بے ہوشی کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد ذابح کے سامنے پہنچتا ہے اور ذابح بسم اللہ کہہ کر اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیتا ہے، اور جانور کے ذبح کے وقت اس کے زندہ ہونے کا یقین ہے، تو یہ صورت **بالاتفاق** جائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں صرف جانور کا نقل وحمل مشین کے ذریعہ ہو رہا ہے، باقی فعل ذبح ہاتھ سے انجام دیا جاتا ہے۔ اکیڈمی مسلمان ارباب مسالخ سے خواہش کرتی ہے کہ وہ اسی طریقہ کو رواج دیں، اور اگر ضرورت محسوس ہوتو ذبح کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے کئی ذابح کا تقرر کیا جائے۔

۲– مشینی ذبیحہ کی ایسی صورت جس میں جانور کے نقل وحمل اور ذبح دونوں کام مشین

☆ نواں فقہی سمینار (جے پور) بتاریخ ۲۷-۳۰/جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱-۱۴/اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

سے انجام پائیں، اس طرح کہ بٹن دبانے کے ساتھ مشین حرکت میں آجائے اور اس مشین پر باری باری جانور آتا جائے۔ اس صورت کی بابت تین رائیں ہیں:

الف- پہلا جانور حلال ہوگا۔ اس کے بعد جو جانور ذبح ہوتے جائیں وہ جائز نہیں ہیں، یہ اکثر شرکاء سمینار کی رائے ہے۔

ب- پہلا جانور بھی حلال نہ ہوگا، یہ بعض حضرات کی رائے ہے جو درج ذیل ہیں:

مفتی شبیر احمد قاسمی، مرادآباد	مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی، بنارس
مولانا بدر احمد مجیبی، پٹنہ	مولانا ابوالحسن علی، گجرات

ج- پہلا جانور بھی حلال ہوگا، اور بعد میں جو جانور اس فعل ذبح کے منقطع ہونے سے پہلے پہلے ذبح ہوجائیں وہ بھی حلال ہیں۔ یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا رئیس الاحرار ندوی، مولانا صباح الدین ملک فلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا جلال الدین انصر عمری، مولانا یعقوب اسماعیل، مولانا صدر الحسن ندوی، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی نسیم احمد قاسمی اور مولانا اعجاز احمد قاسمی۔

۳- جن حضرات کے نزدیک مشین کے ذریعہ ذبح کی صورت میں پہلا جانور حلال ہوجاتا ہے ان کے نزدیک اگر ایسی مشین ایجاد ہوجائے جس سے بڑی تعداد میں چھریاں متعلق ہوں، اور بٹن دباتے ہی بیک وقت چل کر ایک ایک جانور کو ایک ساتھ ذبح کردیتی ہوں تو یہ تمام جانور حلال ہوجاتے ہیں۔

۴- واضح رہے کہ مشینی ذبیحہ کے بارے میں یہ احکام مشین کی مخصوص ہیئت اور وضع کو سامنے رکھ کر طے کئے گئے ہیں، ہر طرح اور ہر وضع کی مشین پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا، بلکہ مشین کی مخصوص ہیئت اور طریقہ کار کی روشنی میں اس کا حکم مقرر کیا جاسکتا ہے۔

متفرق مسائل

اعلامیہ برائے اتحاد امت ☆

ہندوستانی مسلمان اس وقت نت نئے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں، ان مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ اپنے دین وایمان اور تہذیبی شناخت و پہچان کو ہندوستان کے موجودہ ماحول میں باقی رکھنا ہے، اور اسی جذبہ کو اپنی نئی نسل میں منتقل کرنا ہے اور یہ کام سب کو مل جل کر کرنا ہے، تاکہ اس سرزمین میں اسلام کی کھیتی ہری بھری اور سرسبز وشاداب رہے اور ہم اپنے وجود سے برادران وطن کو بھی نفع پہنچاتے رہیں۔

اس اہم ضروری اور بنیادی کام کے لئے ہم سب کو ذات، برادری، خاندان کی تقسیم سے اونچا اٹھ کر اور مسلک ومشرب کے تمام اختلافات سے بالاتر ہوکر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑنا ہے، رنگ ونسل کے فرق کو مٹانا ہے، زبان اور علاقہ کے بت کو آستین سے نکالنا ہے، اور اس حقیقت کو دل ودماغ میں بٹھانا ہے کہ اتحاد واتفاق ہی زندگی ہے اور انتشار واختلاف موت، مگر افسوس کہ کچھ دنوں سے یہ بات شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی ہے کہ ہندوستانی مسلمان زندگی کی شاہراہ (اتحاد واتفاق) کو چھوڑ کر موت (انتشار واختلاف) کی طرف بڑھ رہے ہیں جو ہماری دینی، ملی اور اسلامی زندگی کے لئے حد درجہ خطرناک ہے، اس لئے عالم اسلام کے باوقار ادارہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی مجلس فقہی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۴ تا ۲۷/صفر ۱۴۰۸ھ میں دنیا

☆ (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی جانب سے دسواں فقہی سمینار حج ہاؤس ممبئی میں ۲۱-۲۴/جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴-۲۷/اکتوبر ۱۹۹۷ء کو منعقد ہوا جس میں ملک بھر سے آئے ہوئے علماء فقہاء اور اہل افتاء نے بڑی فکر مندی اور دردمندی کے ساتھ اپنے دستخط سے درج ذیل اعلامیہ برائے اتحاد امت جاری کیا)۔

بھر کے مسلمانوں سے اخوت و اتحاد کی اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان اپنے فقہی اور مسلکی اختلافات میں اعتدال اور توازن کے دامن کو نہ چھوڑیں اور ایک دوسرے کی دل آزاری نہ کریں۔

آیئے اس موقع پر ہم اپنے اس سبق کو تازہ کریں کہ:

ہم ایک خدا کے بندے ہیں، ہم سب حضرت محمد ﷺ کو اپنا آخری رسول مانتے ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ قرآن حکیم خدا کی آخری کتاب ہے، ہم جب نماز پڑھتے ہیں تو کعبہ ہی کو اپنا قبلہ بناتے ہیں، ہمارا دین ''اسلام'' ہے جس سے قیامت تک کے لئے اللہ راضی ہوگیا، اور ہم نے اپنی نجات کے لئے اس دین اسلام کو اپنا لیا۔

اس لئے ہم عہد کرتے ہیں کہ:

۱ – ہم تمام مسلمان خواہ کسی ذات، برادری، خاندان اور مسلک ومشرب سے وابستہ ہوں، ایک رہیں گے، اور اپنی عملی زندگی سے اسلامی اخوت اور مساوات کا ثبوت دیں گے۔

۲ – اپنے مسلک اور مشرب کے اختلاف کو علمی دائرہ تک محدود رکھتے ہوئے امت کی اجتماعیت کو متاثر نہ ہونے دیں گے۔

۳ – ایک دوسرے کے امام، رہنما اور پیشوا کے احترام کو ملحوظ رکھیں گے، اور ان کی شان میں ایسی باتوں کے اظہار سے پرہیز کریں گے جن سے ان کی عزت وتوقیر میں فرق آتا ہو۔

۴ – ہم لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کا احترام کریں گے، نہ کسی کا مذاق اڑائیں گے اور نہ دل آزاری کریں گے، ایک دوسرے کی جان ومال اور عزت وآبرو کا پاس و لحاظ رکھیں گے۔

۵ – اچھے اور نیک کام میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی، اخباری بیان بازی اور پوسٹر بازی سے گریز کریں گے، اور ہم اپنی زندگی سے اس

حقیقت کو اجاگر کریں گے کہ ہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں نہ کہ فریق۔

۶ – اپنے اختلافی اور نزاعی مسائل آپسی گفتگو سے حل کریں گے، اور جہاں شرعی دارالقضاء قائم ہو وہاں اپنے مسئلہ کو پیش کریں گے۔

۷ – ہم اپنی اجتماعی زندگی میں صبر، تحمل، برداشت اور رواداری کا ثبوت دیں گے۔

۸ – ذات، برادری، قبیلہ اور خاندان کی تقسیم میں الجھ کر اپنی زندگی اور اجتماعی شیرازہ بندی کو ہرگز نقصان نہ پہنچنے دیں گے، اور اس حقیقت کا اظہار کریں گے کہ اللہ کے یہاں بڑائی کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

۹ – اپنے فروعی اور جزوی اختلافات کو دین اور عقیدہ کی بنیاد اور اساس نہیں بنائیں گے، اور اپنی اجتماعی اور ملی زندگی میں ایک مستحکم عمارت کی طرح رہیں گے جس کی اینٹیں ایک دوسرے سے تقویت حاصل کرتی ہیں۔

۱۰ – بعض فرقہ پرست عناصر اور سیاسی استحصال کرنے والی قوتیں منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو مختلف قسم کی گروہ بندی اور فرقہ بندی میں مبتلا کر رہی ہیں، ہم مسلمان اپنے شعور اور مؤمنانہ فراست سے ان سازشوں اور منصوبوں کو ناکام بنائیں گے۔

نوٹ: اس اعلامیہ کی خواندگی و باضابطہ منظوری ممتاز علماء کی موجودگی میں ہوئی۔

دینی وعصری اداروں کے طلبہ ☆

یہ سمینار عربی مدارس کے ذمہ داروں سے درخواست کرتا ہے کہ:

۱- طلبہ کو جدید حالات پر احکام شرعیہ کے انطباق کا اہل بنانے کے لئے فقہی سمینار میں آنے والے مسائل اور دوسرے جدید مسائل پر طلبہ کا بین المدارس مذاکرہ منعقد کرائیں، اور اگر مدارس خواہش کریں تو اسلامک فقہ اکیڈمی ایسے مذاکروں میں تعاون کے لئے ممتاز علماء میں سے کسی صاحب سے ایسے مواقع پر شرکت کے لئے درخواست کرسکتی ہے۔

۲- دینی مدارس کے طلبہ کے لئے سمینار یہ بھی مناسب سمجھتا ہے کہ معاشیات اور مختلف عصری علوم کے محاضرات کا نظم کیا جائے تاکہ طلبہ ان علوم کی مبادیات اور اس کی بنیادی فکر کو سمجھ سکیں اور احکام شرعیہ کو ان سے مربوط کرسکیں، اور اسلامک فقہ اکیڈمی اس سلسلہ میں ممکن تعاون کے لئے تیار ہے۔

یہ سمینار اس بات کی بھی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ عصری درسگاہوں کے طلباء کے لئے ایسے محاضرات اور کیمپس (Camps) کا نظم کیا جائے کہ اس کے ذریعہ ان کو اسلام کے مختلف شعبوں کی بنیادی تعلیمات، اسلام کے بنیادی اصول تعلیم، اسلامی قانون کی تاریخ اور اس کی ہر عہد میں انسانیت کی رہنمائی کی صلاحیت اور ضروری اصطلاحات سے واقف کرایا جائے۔ سمینار کی خواہش ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی اس سلسلہ میں مناسب اقدام کرے۔

☆ تیسرا فقہی سمینار (بنگلور) بتاریخ ۱۳-۱۳/ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/جون ۱۹۹۰ء۔

وظیفہ طلبہ ☆

مدرسہ میں طلباء کے قیام وطعام اور تعلیم وغیرہ پر جو مجموعی مصارف آتے ہیں، ان کا حساب لگا کر ہر طالب علم پر واجب الادا ماہانہ اخراجات کے بقدر مدز کوۃ سے ادا کئے جائیں۔ یہ ادائیگی بصورت نقد یا چیک طالب علم کو دی جائے، اور خود مہتمم مدرسہ بھی یہ رقم زکوۃ اکاؤنٹ سے نکال کر مدرسہ کے عام اکاؤنٹ میں اس کی طرف سے جمع کرسکتا ہے، بشرطیکہ بوقت داخلہ، فارم داخلہ میں طالب علم کی طرف سے اور اگر نابالغ ہوتو اس کے ولی کی طرف سے یہ تصریح کرادی جائے کہ مہتمم مدرسہ اس کی طرف سے از مدز کوۃ اس کے اخراجات مدرسہ کو ادا کرنے کا مجاز ہوگا۔

☆ پانچواں فقہی سمینار (اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶/جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/اکتوبر-۲/نومبر ۱۹۹۲ء۔

اسلام اور امن عالم ☆

۱ – تشدد کا ہر وہ عمل جس کے ذریعہ کسی فرد یا جماعت کو کسی شرعی جواز کے بغیر خوف وہراس میں مبتلا کیا جائے یا اس کی جان و مال، عزت وآبرو، وطن و دین اور عقیدے کو خطرے سے دوچار کیاجائے دہشت گردی ہے، خواہ یہ عمل کسی فرد کی طرف سے ہو یا جماعت و حکومت کی طرف سے۔

۲ – کسی بھی حکومت و ریاست کی طرف سے ایسی تدبیریں اختیار کرنا جن سے کسی فرد اور جماعت کو اس کے واجبی حقوق سے محروم کیا جائے، یا ان کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے دہشت گردی میں داخل ہے۔

۳: الف - کسی بھی طرح کی ناانصافی کے خلاف مناسب اور مؤثر طریقہ پر آواز کا اٹھانا مظلوم کا ایک حق ہے۔

ب - مظلوم کی طرف سے ظلم کا دفاع دہشت گردی نہیں ہے۔

۴ - ظلم کرنے والوں کا تعلق جس طبقہ اور گروہ سے ہو، اس کا بے قصور افراد سے ظلم کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔

۵ – دہشت گردی کے سد باب کی صورت یہ ہے کہ تمام لوگوں کو مساوی طریقہ پر عدل وانصاف فراہم کیا جائے، انسانی حقوق کا مکمل احترام، جان و مال اور آبرو کا مکمل تحفظ کیا جائے، نسلی، قبائلی، مذہبی اور لسانی امتیازات کا لحاظ کئے بغیر تمام انسانوں کو باعزت زندگی گذارنے کا موقع دیا جائے۔

۶ – کسی کی جان و مال اور عزت وآبرو پر حملے کی صورت میں اس کو مدافعت کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

☆ چودہواں فقہی سمینار (حیدرآباد) بتاریخ ۱-۳/جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰-۲۲/جون ۲۰۰۴ء۔